جمادی الاولیٰ ۱۴۳۷ھ
فروری ۲۰۱۶ء

ماہنامہ
میثاق
لاہور

یکے از مطبوعات
تنظیم اسلامی
بانی: ڈاکٹر اسرار احمدؒ

ایمان کے ظاہری و باطنی ثمرات اور تقربِ الٰہی کے ذرائع
(مطالعہ حدیث)
بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمدؒ

داعی رجوع الی القرآن، بانی تنظیم اسلامی
محترم ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ
کے شہرۂ آفاق دورۂ ترجمہ قرآن پر مشتمل
بیانُ القرآن
ترجمہ و مختصر تفسیر

حصہ اول سورۃ الفاتحہ و سورۃ البقرۃ مع تعارفِ قرآن
(بارھواں ایڈیشن) ——— صفحات: 360، قیمت 475 روپے

حصہ دوم سورۃ آلِ عمران تا سورۃ المائدہ
(دسواں ایڈیشن) ——— صفحات 321، قیمت 425 روپے

حصہ سوم سورۃ الانعام تا سورۃ التوبہ
(ساتواں ایڈیشن) ——— صفحات 331، قیمت 425 روپے

حصہ چہارم سورۃ یونس تا سورۃ الکہف
(چھٹا ایڈیشن) ——— صفحات 394، قیمت 485 روپے

حصہ پنجم سورۃ مریم تا سورۃ السجدۃ
(پانچواں ایڈیشن) ——— صفحات 480، قیمت 575 روپے

حصہ ششم سورۃ الاحزاب تا سورۃ الحجرات
(چوتھا ایڈیشن) ——— صفحات 484، قیمت 590 روپے

حصہ ہفتم سورۃ قٓ تا سورۃ النّاس
(دوسرا ایڈیشن) ——— صفحات 560، قیمت 650 روپے

یکے از مطبوعات: انجمن خدام القرآن خیبر پختونخوا پشاور
شائع کردہ: مکتبہ خدام القرآن لاہور
36-K، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون 3-35869501(042)

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ ۙ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۡ (المائدۃ:۷)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل اور اس کے میثاق کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے مانا اور اطاعت کی!

جلد : 65

شمارہ : 2

جُمادی الاُولیٰ 1437ھ

فروری 2016ء

فی شمارہ 30/-

ماہنامہ میثاق لاہور

جلد ثانی

ڈاکٹر اسرار احمدؒ

مُدیر
حافظ عاکف سعید

نائب مُدیر
حافظ خالد محمود خضر

سالانہ زرِتعاون

- اندرون ملک 300 روپے
- بھارت وبنگلہ دیش 900 روپے
- ایشیا' یورپ' افریقہ وغیرہ 1200 روپے
- امریکہ' کینیڈا' آسٹریلیا وغیرہ 1500 روپے

ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

مکتبہ خدام القرآن لاہور

مقام اشاعت: 36۔ کے ماڈل ٹاؤن' لاہور 54700 ' فون: 3-35869501

فیکس: 35834000' ای میل: maktaba@tanzeem.org

ای میل برائے ادارتی امور: publications@tanzeem.org

ویب سائٹ ایڈریس: www.tanzeem.org

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی: 67۔ علامہ اقبال روڈ' گڑھی شاہو' لاہور

فون: 36366638 - 36316638

پبلشر: ناظم مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

طابع: رشید احمد چوہدری مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

عرضِ احوال 5

سعودیہ ایران کشیدگی: اُمت مسلمہ پر وقتِ آزمائش — ادارہ

بیانُ القُرآن 9

سورۃ النور (آیات ۱ تا ۲۶) — ڈاکٹر اسرار احمدؒ

مُطالعۂ حدیث 25

ایمان کے ظاہری و باطنی ثمرات اور تقرب الٰہی کے ذرائع — ڈاکٹر اسرار احمدؒ

تذکّر و تدبّر 53

قرآن کریم کی اُصولی باتیں (۶) — ڈاکٹر عمر بن عبداللہ المقبل

تذکیر و موعظت 63

دنیا کی زندگی کی حقیقت — محمد عظیم

پُھول پُھول خُوشبو 70

احادیث رسول ﷺ کے سدا بہار گلستان — نذر حیات خان

حُسن عبادت 81

سید الایام — یوم الجمعہ — پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

یادِ رفتگاں 85

حاجی عبدالواحد صاحبؒ کی یادداشتیں (۴) — پروفیسر حافظ قاسم رضوان

شخصیات 95

مولانا محمد اسحاق بھٹی مرحوم: جہد مسلسل کی علامت — حافظ محمد مشتاق ربانی

❁ ❁ ❁

بسم اللّٰہ الرّحمٰن الرّحیم

سعودیہ ایران کشیدگی: اُمت مسلمہ پر وقتِ آزمائش

سعودی عرب اور ایران کے درمیان کشیدگی میں اضافہ اہل نظر و اہل فکر مسلمانوں کے لیے لمحۂ فکریہ ہے۔ عالم اسلام کے دو ایسے اہم ترین ملکوں کے درمیان' جو دو بڑے مسالک یعنی شیعہ اور سنی کے اپنی اپنی جگہ پر امام کی حیثیت رکھتے ہیں' بڑھتی ہوئی محاذ آرائی ہر ایسے مسلمان کے لیے بھی انتہائی تشویش کا باعث ہونی چاہیے جو کہ اسلام اور عالم اسلام کے اجتماعی مفاد سے تھوڑا سا بھی لگاؤ رکھتا ہے۔ اس لیے کہ یہ جنگ عالم اسلام کو تباہ و برباد کرنے کے لیے چھیڑی گئی ہے اور اس کے پس پردہ اسلام دشمن قوتوں کی دیرینہ منصوبہ بندی اور مذموم مقاصد روزِ روشن کی طرح عیاں ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کے بڑے پیمانے پر قتل عام اور مسلمان ملکوں کی تباہی کے لیے انہیں کچھ نہ کرنا پڑے اور اُس نظریہ کی حامل قوم جس کی عملی تعبیر باطل قوتوں کے لیے بہت بڑا خطرہ ہے اُسے آپس میں یوں گتھم گتھا کر دیا جائے کہ یہ مسلمان ممالک ایک دوسرے سے برسرِ پیکار ہو کر ان کے دیرینہ خواب پورے کر دیں اور انہیں یہ سب کچھ بغیر کسی جانی و مالی نقصان کے حاصل ہو جائے۔ یہ بات کسی سے بھی ڈھکی چھپی نہیں ہے کہ اسلام دشمن قوتیں ایک طرف ایران کی کمر ٹھونک رہی ہیں اور دوسری طرف عرب ممالک کو بھی ۳۴ ملکی اتحاد کے ذریعے آمادہ بہ جنگ کر رہی ہیں۔

اہل نظر کے نزدیک اسلام دشمن قوتیں عالم اسلام میں شیعہ سنی جنگ بھڑکانے کے لیے کئی دہائیوں سے سرگرم تھیں' چنانچہ ہر وہ اسلامی ملک جس میں ان دونوں مسالک کے لوگ موجود ہیں وہاں اس آگ کو بھڑکانے کی کوشش کی گئی۔ پاکستان بھی اس سازش کی زد میں آیا' لیکن یہاں کے باشعور عوام نے ان بیرونی دشمنوں کی مکروہ اور خون آلود سازشوں کو کامیاب نہ ہونے دیا اور حسب سابق ایک معاشرے میں رہتے ہوئے اپنے باہمی تعلقات کو قائم و استوار رکھا۔ آج بھی ضرورت اس امر کی ہے کہ مسلکی اختلاف کو ایک طرف رکھتے ہوئے باہمی تعلق و ربط کو مزید مضبوط و مستحکم بنا کر عالم اسلام کے مشترکہ دشمنوں کی مکروہ سازشوں کا منہ توڑ جواب دیا جائے۔ اُمت کے ہر فرد' چاہے اُس کا تعلق کسی بھی ملک یا مسلک سے ہو' کا فائدہ اسی میں ہے

۔ اسی میں ہر مسلمان ملک اور اُس کے ہر شہری کے لیے خیر اور بھلائی پوشیدہ ہے۔ اگر خدانخواستہ دشمنانِ اسلام اس جنگ کو بھڑکانے کی کوششوں میں کامیاب ہو گئے تو اس کے مہلک اثرات ہر مسلمان ملک کو اپنی لپیٹ میں لے لیں گے اور ہر مسلمان شہری ان اثرات کی زد میں آئے گا۔ مسلمان ممالک کے وسائل مسلمانوں کے خلاف ہی چھیڑی گئی دشمنانِ اسلام کی اس بے مقصد جنگ میں جھونک دیے جائیں گے' جس سے نہ صرف مسلمان ممالک کی ترقی کا سفر رک جائے گا بلکہ اکثر مسلم ممالک' جہاں پہلے ہی غربت' بے روزگاری اور جہالت کے پہرے ہیں' مزید بحران کا شکار ہو جائیں گے۔ پوری دنیا میں مسلمان آبادی جو پہلے ہی دہشت گردی کی مغربی اصطلاح کی زد میں ہے' باہمی منافرت اور خون خرابے کی بدولت تضحیک کا نشانہ بنے گی۔ مغرب اور امریکہ جو ڈیزی کٹر' فاسفورس' ایٹم اور ہائیڈروجن بموں سے انسانوں کے چیتھڑے اُڑانے کے باوجود اور اپنا اسلحہ فروخت کرنے کی خاطر پوری دنیا میں جنگ و جدل پھیلانے کی شہرت رکھنے کے باوجود خود پر ''مہذب دنیا'' کا لیبل چسپاں کرنے پر بضد ہیں' پوری دنیا میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف نفرت اور حقارت پھیلانے میں مزید کامیاب ہوں گے۔ اس کا فائدہ صرف اسلام دشمن قوتوں کو ہوگا' جو مغرب اور امریکہ سمیت پوری دنیا میں تیزی سے پھیلتے ہوئے اسلام سے خائف ہیں۔ اس کا فائدہ براہ راست یہود اور اسرائیل کو ہوگا جو مشرق وسطیٰ میں ایک نئی جنگ کا آغاز چاہتا ہے تاکہ گریٹر اسرائیل کا خواب ممکن ہو سکے۔ اور اس کا نقصان اسلام اور مسلمانوں کو جس قدر پہنچے گا اس کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا اور شاید اس نقصان کا ازالہ صدیوں تک ممکن نہ ہو سکے۔

ان حالات میں ہر مسلمان کا یہ فرض ہے کہ وہ نہ صرف اس فرقہ وارانہ فساد کو ہوا دینے والوں کی قولی یا فعلی تائید ہرگز نہ کرے' کیونکہ ایسا فرد چاہے مسلمان ہو یا غیر مسلم وہ کبھی اسلام اور عالم اسلام کا خیر خواہ نہیں ہو سکتا' بلکہ امت مسلمہ کے ہر فرد کا فرض یہ بنتا ہے کہ آگے بڑھ کر اس آگ کو سرد کرنے کے لیے اپنی تمام صلاحیتیں بھرپور انداز میں بروئے کار لائے۔ لہٰذا شیعہ اور سنی مسالک سے تعلق رکھنے والے ہر فرد کو ایسے عناصر کی پہچان ہونی چاہیے جو اس نازک وقت میں اُمت مسلمہ میں فساد کے لیے سازشوں میں مصروف ہیں۔ اس وقت اُمت مسلمہ کے ہر فرد کو مثبت اور تعمیری کردار ادا کرنے کی ضرورت ہے' کیونکہ یہ پوری اُمت پر کڑی آزمائش کا وقت ہے اور اُمت کے ہر فرد کے لیے بھی آزمائش کا وقت ہے کہ وہ باہمی اتحاد و اتفاق کی حسب بساط سعی کر کے اسلام دشمن قوتوں کے عزائم کو خاک میں ملاتا ہے اور اللہ سے اس کے

اچھے اجر کی اُمید رکھتا ہے یا پھر منفی اور تخریبی سوچ پھیلا کر فساد فی الارض کا مرتکب ہوتا ہے اور اسلام اور عالم اسلام کے اجتماعی نقصان کے ساتھ ساتھ خود اپنا بھی دنیوی اور اُخروی نقصان کرتا ہے۔

آزمائش کی ان گھڑیوں میں تعمیری اور مثبت کردار ادا کرنا ہر مسلمان ملک کی بھی بنیادی اور اولین ذمہ داری ہے۔ ہر مسلمان ملک کی اولین کوشش یہ ہونی چاہیے کہ وہ اُمت مسلمہ میں کسی گروپ بندی اور تقسیم وتخریب کا باعث بننے کی بجائے اُمت کے اتحاد واتفاق کا موجب بنے' کیونکہ اُمت میں کسی بھی قسم کی دھڑے بندی اس وقت اسلام دشمن قوتوں کے مفاد میں جائے گی اور وہ عالم اسلام میں تقسیم وتخریب اور جنگ وجدل کے مکروہ ایجنڈے کی تکمیل کے اُتنے ہی قریب تر ہو جائیں گے۔ اس لیے ہم یہ سمجھتے ہیں کہ فرقہ وارانہ بنیادوں پر فوجی یا کسی بھی قسم کے اتحاد یا دھڑے بندی کی بجائے اس وقت اہم ترین ضرورت مسلمان ممالک کے ایسے اتحاد کی ہے جو مسلم ممالک میں بڑھتی ہوئی اس کشیدگی کو کم کر سکے۔ چاہے یہ کوشش او آئی سی کی سطح پر ہو یا ترکی' پاکستان اور دیگر بااثر مسلم ممالک کے غیر جانبدار اتحاد کی سطح پر' جو مسلم ممالک بالخصوص ایران کو یہ باور کرا سکیں کہ آپس کی یہ لڑائی کسی بھی صورت میں اُمت مسلمہ کے مفاد میں نہیں ہے' لہٰذا اس سے ہر ممکن حد تک گریز کیا جائے تو اسی میں عالم اسلام کی بہتری ہے۔

اگر حقیقت کی نظر سے دیکھا جائے تو او آئی سی' عرب لیگ وغیرہ کے غیر مؤثر اور غیر فعال ہونے اور مسلم دنیا کے نمائندہ اور مضبوط ومؤثر پلیٹ فارم کی عدم موجودگی کی وجہ سے ہی ایران اسلامی ممالک کے اجتماعی دھارے سے نکل کر رفتہ رفتہ غیر مسلم اور اسلام دشمن قوتوں کے قریب تر ہوا ہے اور بالآخر ان کے زیر اثر چلا گیا ہے۔ بیرونی قوتیں پھوٹ ڈالنے میں اسی وقت کامیاب ہوتی ہیں جب گھر کے اندر مضبوط کنٹرول نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ پچھلی چند دہائیوں کے دوران ایران کا طرز عمل اُمت مسلمہ کے اجتماعی مفاد کے برعکس اسلام دشمن قوتوں کے ایجنڈے کے قریب تر رہا ہے۔ عراق میں صدام حسین کی حکومت کا تختہ اُلٹنے میں امریکہ کی مدد کر کے ایران نے جہاں عالم اسلام کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا وہاں مسلم ورلڈ کے مرکز میں عالمی قوتوں کو جگہ اور موقع دے کر ہر طرح کی گھناؤنی سازشوں کا موقع بھی فراہم کر دیا' جس کی وجہ سے مشرق وسطیٰ میں نہ تھمنے والا فساد برپا ہوا۔ اسی طرح ایران کی شام' یمن' لیبیا اور دیگر مسلم ممالک میں مداخلت بھی عالم اسلام کے اجتماعی مفاد کو زک پہنچانے اور اسلام دشمن قوتوں کے عزائم کی حوصلہ افزائی کے مترادف ہے۔ مسلم ورلڈ میں لیڈر شپ کی کمی اور باہمی ربط واتحاد

کی ضرورت کو محسوس کرنے اور اس کے لیے مؤثر اقدامات نہ کرنے والے کسی بھی مسلم پلیٹ فارم کی عدم موجودگی کے باعث ایران کا رویہ روز بروز جارحانہ ہوتا جا رہا ہے اور اس کا یہی جارحانہ رویہ اسلام دشمن قوتوں کے ایجنڈے کی تکمیل کی راہ ہموار کر رہا ہے۔ منیٰ کا حادثہ جو کہ خالصتاً مسلم دنیا کا آپس کا معاملہ تھا' ایران نے اسے بین الاقوامی بنا کر ملت اسلامیہ کے اجتماعی مفاد سے بغاوت کا ثبوت دیا۔ اسی طرح ہر ملک کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنے ملکی قوانین کے مطابق جرائم پیشہ افراد کو سزا دے۔ سعودی عرب نے جن لوگوں کو سزائیں دی ہیں ان میں چالیس کے قریب سنی جبکہ صرف چھ یا سات افراد شیعہ مسلک سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ سعودی عرب کا داخلی معاملہ تھا' لیکن ایران نے اسے بھی بین الاقوامی بنا کر ایک تنازعہ کھڑا کر دیا اور بات سفارتی تعلقات کے تعطل تک جا پہنچی۔ عالم اسلام کے مشترکہ دشمنوں کے لیے یہ بہت بڑی کامیابی جبکہ عالم اسلام کے لیے انتہائی تشویش کا باعث ہے۔

ان حالات میں پاکستان اور ترکی سمیت بااثر اسلامی ممالک کو عالم اسلام میں کسی بھی دھڑے بازی اور گروپ بندی کی حمایت وحوصلہ افزائی کرنے کی بجائے مجموعی اتحاد واتفاق کی کوشش کرنی چاہیے۔ موجودہ حالات کے تناظر میں عالم اسلام میں ایک ایسے مؤثر ومضبوط اتحاد کی ضرورت ہے جو تمام اسلامی ممالک کو اسلام دشمن قوتوں کے چنگل سے نکال کر خالصتاً اسلامی بنیادوں پر متحد کرے' تاکہ ہر اسلامی ملک' اسلامی بنیادوں پر قائم قومی دھارے میں شامل ہو کر مسلم اُمہ کی اجتماعی ترقی اور ترویج اسلام کے لیے اپنا کردار ادا کرے۔ خاص طور پر ایران جو کہ عالم اسلام کے اجتماعی مفاد کو بالائے طاق رکھتے ہوئے صرف ایک فرقہ کی پشتیبانی پر مصر ہے اور اسی بنیاد پر عراق' شام' لیبیا' یمن اور دیگر ممالک میں فساد کا موجب بن رہا ہے' اسے افہام وتفہیم کے ساتھ عالم اسلام کے اجتماعی پلیٹ فارم پر لائے جانے کی ضرورت ہے۔ سعودی عرب کو بھی کوئی ایسا اتحاد تشکیل دینے کی ضرورت نہیں تھی جس سے یہ تاثر اُبھرتا کہ یہ ایران کے خلاف قائم کیا گیا ہے۔ اس جنگ کو عالم اسلام کی قیادت کی جنگ بھی نہیں بنایا جانا چاہیے۔ اگر ایران اور سعودی عرب میں تلخی بڑھی اور کشیدگی کسی تصادم کا باعث بنی تو امت مسلمہ اپنی رہی سہی ساکھ بھی کھو دے گی اور مسلمان ممالک کا کنٹرول مکمل طور پر اسلام دشمن قوتوں کے پاس چلا جائے گا۔ درحقیقت مسلم ممالک میں فکری ہم آہنگی پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ پاکستان اور ترکی اس ضمن میں بہت اہم رول ادا کر سکتے ہیں اور انہیں کرنا بھی چاہیے'

(باقی صفحہ 24 پر)

دورۂ ترجمۂ قرآن

ڈاکٹر اسرار احمد

سُورۃُ النُّوْر

تمہیدی کلمات

مکی سورتوں کے ایک طویل سلسلے (سورۂ یونس تا سورۃ المؤمنون) کے بعد اب ہم ایک مدنی سورت کا مطالعہ کرنے جا رہے ہیں‘ جو اس گروپ کی آخری سورت ہے۔ اگرچہ بعض لوگ چودہ سورتوں کے اس گروپ میں سے سورۃ الرعد اور سورۃ الحج کو مدنی قرار دیتے ہیں مگر جو لوگ مکی اور مدنی سورتوں کے مزاج سے واقفیت رکھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ ان میں سے کوئی بھی مدنی سورت نہیں ہے‘ البتہ یہ ممکن ہے کہ ان میں کہیں کہیں کچھ آیات مدنی ہوں۔

سورۃ النور کا نزول ۶ ہجری میں ہوا۔ اس میں حضرت عائشہ ؓ پر تہمت لگائے جانے والی سازش کو بھی بے نقاب کیا گیا ہے اور حضرت عائشہ ؓ کی بے گناہی ثابت کی گئی ہے۔ اس سازش کے پیچھے مدینہ کے منافقین کا پورا گروہ تھا‘ لیکن اس میں بنیادی کردار رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی کا تھا۔ بدقسمتی سے کچھ سادہ لوح مسلمان بھی منافقین کے اس پروپیگنڈا سے متاثر ہو گئے تھے۔ بلاشبہ یہ سب کچھ حضرت عائشہ ؓ اور خود حضور ﷺ کے لیے بہت زیادہ تکلیف اور کرب کا باعث بنا۔

نسبتِ زوجیت کے اعتبار سے سورۃ النور کا تعلق سورۃ الاحزاب کے ساتھ ہے اور دونوں سورتوں کے مضامین میں گہری مشابہت پائی جاتی ہے۔ سورۃ الاحزاب چونکہ سورۃ النور سے پہلے (۵ ہجری میں) نازل ہوئی تھی اس لیے اس کی آیات سورۃ النور کی آیات کی نسبت قدرے چھوٹی ہیں۔ اس وجہ سے سورۃ الاحزاب کی آیات کی تعداد اگرچہ زیادہ ہے مگر دونوں سورتوں کے رکوعات کی تعداد (۹‘۹) برابر ہے اور حجم بھی تقریباً ایک جیسا ہے۔ دونوں سورتوں میں نمبر ۳۵ پر جو آیات ہیں وہ ایمان اور اسلام کی حقیقت کے حوالے سے خصوصی اہمیت کی حامل ہیں۔

آیات ۱ تا ۱۰

سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَفَرَضْنٰهَا وَاَنْزَلْنَا فِيْهَآ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ لَّعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝۱
اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۠ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ
بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ وَلْيَشْهَدْ
عَذَابَهُمَا طَآىِٕفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۲ اَلزَّانِيْ لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً اَوْ مُشْرِكَةً ۪
وَّالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَآ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ ۚ وَحُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۳
وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ
ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝۴ اِلَّا
الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۚ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۵ وَالَّذِيْنَ
يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ
اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝۶ وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ
اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝۷ وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍۭ
بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝۸ وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَآ اِنْ كَانَ مِنَ
الصّٰدِقِيْنَ ۝۹ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ حَكِيْمٌ ۝۱۰

آیت ۱ ﴿سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَفَرَضْنٰهَا﴾ ’’یہ ایک عظیم سورت ہے‘ ہم نے اس کو نازل کیا ہے اور اس کو (تم پر) فرض کیا ہے‘‘

سورت کے آغاز کا یہ انداز تمام سورتوں میں منفرد ہے۔ ’’سُوْرَةٌ‘‘ کا لفظ یہاں پر بطور اسم نکرہ استعمال ہوا ہے۔ اس کو اگر تفخیم کے لیے مانا جائے تو اس کے معنی یوں ہوں گے کہ یہ ایک عظیم سورت ہے۔

﴿وَاَنْزَلْنَا فِيْهَآ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ لَّعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝۱﴾ ’’اور ہم نے اس میں بڑی روشن آیات نازل کی ہیں تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔‘‘

آیت ۲ ﴿اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۖ﴾ ''زنا کرنے والی عورت اور زنا کرنے والے مرد، دونوں میں سے ہر ایک کو سو سو کوڑے مارو''

﴿وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ﴾ ''اور تمہیں نہ روکے ان کے ساتھ مہربانی اللہ کے دین (کی تنفیذ) کے معاملے میں''

یہ اللہ کے دین اور اس کی شریعت کا معاملہ ہے۔ ایسے معاملے میں حد جاری کرتے ہوئے کسی کے ساتھ کسی کا تعلق، انسانی ہمدردی یا فطری نرم دلی وغیرہ کچھ بھی آڑے نہ آنے پائے۔

﴿اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ﴾ ''اگر تم ایمان رکھتے ہو اللہ پر اور یومِ آخرت پر۔''

یہ غیر شادی شدہ زانی اور زانیہ کے لیے حد ہے جو نص قرآنی سے ثابت ہے۔ البتہ شادی شدہ زانی اور زانیہ کی سزا رجم ہے جو سُنّتِ رسول ﷺ سے ثابت ہے اور قرآن کے ساتھ ساتھ سُنّتِ رسولؐ بھی شریعتِ اسلامی کا ایک مستقل بالذّات ماخذ ہے۔ رجم کی سزا کا قاعدہ اور اصول یہ ہے کہ شریعتِ موسویؑ میں یہ سزا موجود تھی اور حضور ﷺ نے سابقہ شریعت کے ایسے احکام جن کی قرآن میں نفی نہیں کی گئی اپنی امت میں جوں کے توں جاری فرمائے ہیں۔ ان میں رجم اور قتلِ مرتد کے احکام خاص طور پر اہم ہیں۔ شادی شدہ زانی اور زانیہ کے لیے رجم کی سزا متعدد احادیث، رسول اللہ ﷺ کی سُنّت، خلفائے راشدین کے تعامل اور اجماعِ اُمت سے ثابت ہے۔

﴿وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۲﴾ ''اور چاہیے کہ ان دونوں کی اس سزا کے وقت اہلِ ایمان کا ایک گروہ موجود رہے۔''

اس حد کو عام پبلک میں کھلے عام جاری کرنے کا حکم ہے۔ اس سے یہ اصول ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ اسلامی شریعت دراصل تعزیرات اور حدود کو دوسروں کے لیے لائقِ عبرت بنانا چاہتی ہے۔ اگر کسی مجرم کو جرم ثابت ہونے کے بعد چپکے سے پھانسی دے دی جائے اور لوگ اسے ایک خبر کے طور پر سنیں تو ان کے ذہنوں میں اس کا وہ تاثر قائم نہیں ہوگا جو اس سزا کے عمل کو براہِ راست دیکھنے سے ہوگا۔ اگر کسی مجرم کو سرِعام تختہ دار پر لٹکایا جائے تو اس سے کتنے ہی لوگوں کے ہوش ٹھکانے آ جائیں گے۔ چنانچہ اسلامی شریعت سزاؤں کے تصور کو معاشرے میں ایک مستقل سدِّراہ (deterrent) کے طور پر مؤثر دیکھنا چاہتی ہے۔ اس میں بنیادی فلسفہ

یہی ہے کہ ایک کو سزا دی جائے تو لاکھوں کے لیے باعث عبرت ہو۔

آیت ۳ ﴿اَلزَّانِيْ لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً اَوْ مُشْرِكَةً ۪﴾ ''زانی مرد کو روا نہیں کہ وہ نکاح کرے مگر کسی زانیہ ہی سے یا مشرکہ سے''

یہ حکم قانون کے درجے میں نہیں بلکہ اخلاق کے درجے میں ہے۔ یعنی اس شرمناک اور گھناؤنے جرم کا ارتکاب کر کے اس شخص نے ثابت کر دیا ہے کہ وہ کسی پاک دامن، عفّت مآب مؤمنہ کے لائق ہے ہی نہیں۔ چنانچہ اسے چاہیے کہ وہ اس قانونی بندھن کے لیے بھی اپنے جیسی ہی کسی بدکار عورت یا پھر مشرکہ عورت کا انتخاب کر لے۔

﴿وَّالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَآ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ ۚ وَحُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۳﴾ ''اور زانیہ عورت بھی اس لائق نہیں کہ اس سے کوئی نکاح کرے مگر صرف بدکار مرد یا کوئی مشرک۔ اور حرام کر دیا گیا ہے یہ (زانی اور زانیہ سے نکاح) مؤمنین پر۔''

آیت ۴ ﴿وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ﴾ ''اور وہ لوگ جو پاک دامن عورتوں پر زنا کی تہمت لگائیں''

''مُحصَنات'' سے مراد خاندانی عورتیں بھی ہیں اور منکوحہ عورتیں بھی۔ گویا عورتوں کے حق میں اِحصان (حفاظت کا حصار) کی دو صورتیں ہیں۔ جو عورتیں کسی معزز اور شریف خاندان سے تعلق رکھتی ہیں وہ اپنے اس خاندان کی حفاظت کے حصار میں ہیں اور جو کسی کے نکاح کی قید میں ہیں انہیں اپنے خاوند اور نکاح کے اس تعلق کی حفاظت حاصل ہے۔ اس طرح خاندانی منکوحہ خاتون کو دوہرا ''اِحصان'' حاصل ہوتا ہے۔ چنانچہ اگر کوئی شخص کسی پاکدامن خاندانی یا منکوحہ عورت پر زنا کا الزام لگائے اور:

﴿ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً﴾ ''پھر وہ نہ لا سکیں چار گواہ، تو ایسے لوگوں کو لگاؤ اسّی کوڑے''

﴿وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝۴﴾ ''اور آئندہ کبھی ان کی شہادت قبول نہ کرو۔ اور یہی لوگ فاسق ہیں۔''

اگر کوئی شخص کسی پاکدامن خاتون پر بدکاری کا الزام لگائے تو اس پر لازم ہے کہ وہ چار چشم دید گواہ پیش کرے۔ اگر وہ اس میں ناکام رہتا ہے تو اس کے اس الزام کو بہتان تصور کیا

جائے گا' اور زنا کے بہتان کی سزا کے طور پر اسے اسّی (۸۰) کوڑے لگائے جائیں گے۔ شریعت میں اسے ''حدِقذف'' کہا جاتا ہے۔

دیکھا جائے تو یہ سزا زنا کی سزا (سو کوڑے) کے قریب ہی پہنچ جاتی ہے۔ اس میں بظاہر یہ حکمت نظر آتی ہے کہ خواہ مخواہ برائی کی تشہیر نہ ہو۔ دراصل برائی کا چرچا بھی معاشرے کے لیے برائی ہی کی طرح زہرناک ہے اور شریعت کا مقصود اس زہرناکی کا سدباب کرنا ہے۔ اس سلسلے میں شریعت کا تقاضا یہ ہے کہ اگر کہیں ایسی غلطی کا ارتکاب ہو تو قصوروار افراد کو قانون کے مطابق سخت سزا دی جائے۔ لیکن اگر کسی قانونی سُقم کی وجہ سے یا گواہوں کی عدم دستیابی کے باعث جرم ثابت نہ ہوسکتا ہو اور مجرم کو کیفر کردار تک پہنچانا ممکن نہ ہو تو پھر بہتر ہے کہ اس سلسلے میں خاموشی اختیار کی جائے اور برائی کی تشہیر کر کے معاشرے کی فضا میں ہیجانی کیفیت پیدا کرنے سے اجتناب کیا جائے۔

آیت ۵ ﴿اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۚ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝۵﴾ ''سوائے ان لوگوں کے جو توبہ کرلیں اس کے بعد اور اپنی اصلاح کرلیں' تو یقیناً اللہ غفور ہے' رحیم ہے۔''

مثلاً کسی شخص پر قذف کی حد جاری کی گئی اور اسلامی عدالت میں طویل عرصے تک اس کی گواہی بھی ناقابلِ قبول رہی' لیکن سزا ملنے کے بعد اُس شخص نے اللہ کے حضور توبہ کرلی اور اپنی پرانی روش کو مستقل طور پر تبدیل کرلیا۔ اس کے مثبت رویے کو دیکھتے ہوئے معاشرے میں پھر سے اسے ایک بااعتماد' صالح اور پرہیزگار مسلمان کے طور پر تسلیم کرلیا گیا۔ اب ایسے شخص پر سے گواہی کے ناقابل قبول ہونے کی قدغن ختم ہوسکتی ہے۔

آیت ۶ ﴿وَالَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ یَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ﴾ ''اور وہ لوگ جو اپنی بیویوں پر زنا کا الزام لگائیں اور ان کے پاس اپنی ذات کے سوا اور گواہ نہ ہوں''

یعنی اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو بدکاری کا ارتکاب کرتے ہوئے دیکھ لے اور اس کے پاس اپنے علاوہ موقع کے تین اور گواہ بھی نہ ہوں تو وہ کیا کرے؟ چونکہ معاملہ اس کی اپنی بیوی کا ہے اس لیے وہ خاموشی اختیار کر کے اس کے ساتھ رہ بھی نہیں سکتا۔ عام حالات میں تو اگر کوئی شخص اپنے علاوہ تین چشم دید گواہوں کے بغیر کسی پر ایسا الزام لگائے تو اسے اسّی (۸۰) کوڑوں کی سزا دی جائے گی' لیکن میاں بیوی کے معاملے میں ایسی صورت حال کے لیے یہاں ایک

خصوصی قانون دیا گیا ہے جسے اصطلاح میں ''لِعان'' کہا جاتا ہے۔

﴿فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِیْنَ ۝۶﴾ ''تو ایسے ایک شخص کی گواہی یہ ہے کہ اللہ کی قسم کے ساتھ چار بار گواہی دے کہ وہ یقیناً سچا ہے۔''

ایسے شخص سے تقاضا یہ ہے کہ وہ اللہ کی قسم کھا کر چار دفعہ واقعہ کی گواہی دے اور دعویٰ کرے کہ وہ جو کچھ کہہ رہا ہے سچ کہہ رہا ہے۔

آیت ۷ ﴿وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَیْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِیْنَ ۝۷﴾ ''اور پانچویں بار یہ کہے کہ اس پر اللہ کی لعنت ہو اگر وہ جھوٹا ہو۔''

اس طرح ایسے شخص کی مذکورہ گواہی چار گواہوں کے برابر سمجھی جائے گی۔

آیت ۸ ﴿وَیَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِیْنَ ۝۸﴾ ''اور اس عورت سے یہ بات سزا کو ٹال سکتی ہے کہ وہ چار دفعہ گواہی دے اللہ کی قسم کے ساتھ کہ وہ (اس کا شوہر) یقیناً جھوٹا ہے۔''

آیت ۹ ﴿وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَیْهَآ اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ۝۹﴾ ''اور پانچویں دفعہ یہ کہے کہ مجھ پر اللہ کا غضب ہو اگر وہ سچا ہو۔''

اگر شوہر چار دفعہ اللہ کی قسم کھا کر الزام میں اپنی سچائی کی گواہی دے دے اور پانچویں دفعہ یہ بھی کہہ دے کہ اگر وہ جھوٹا ہو تو اس پر اللہ کی لعنت ہو تو اس کی طرف سے چار گواہ پیش کرنے کا قانونی تقاضا پورا ہوگیا۔ اس کے بعد متعلقہ عورت کو صفائی کا موقع دیا جائے گا۔ اگر وہ اس الزام کو تسلیم کرلے یا خاموش رہے تو اس پر حد جاری کردی جائے گی' لیکن اگر وہ اس سے انکار کرے تو اسے بھی اللہ کی قسم کھا کر چار مرتبہ یہ کہنا ہوگا کہ اس کا شوہر جھوٹ بول رہا ہے اور پانچویں مرتبہ یہ کہنا ہوگا کہ اگر وہ اپنے الزام میں سچا ہو تو مجھ پر اللہ کا غضب نازل ہو۔ اگر وہ عورت ایسا کہہ دے تو اس پر حد جاری نہیں کی جائے گی اور وہ دنیا کی سزا سے بچ جائے گی۔ البتہ اس کے بعد ان کے درمیان طلاق واقع ہوجائے گی اور وہ دونوں بطور میاں بیوی اکٹھے نہیں رہ سکیں گے۔

آیت ۱۰ ﴿وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ﴾ ''اور اگر تم لوگوں پر اللہ کا فضل اور اُس کی رحمت نہ ہوتی''

﴿وَاَنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ حَكِيْمٌ ۝۱۰﴾ ''اور یہ کہ اللہ بہت توبہ قبول کرنے والا' بہت حکمت والا ہے۔''

یہاں پر کچھ الفاظ مقدّر (understood) مانے گئے ہیں۔ گویا تقدیر عبارت یوں ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اور اس کی رحمت تم لوگوں کے شامل حال نہ ہوتی اور یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ توبہ قبول فرمانے والا اور صاحبِ حکمت ہے تو بیویوں پر الزام کا معاملہ تمہیں غلط راستے پر ڈال دیتا اور تم کوئی بہت بڑا قدم اٹھا لیتے۔

ان ابتدائی آیات کی صورت میں اس واقعہ کی تمہید بیان ہوئی ہے جو آگے آ رہا ہے۔

آیات ۱۱ تا ۲۰

اِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ ؕ لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ ؕ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ ۚ وَالَّذِيْ تَوَلّٰى كِبْرَهٗ مِنْهُمْ لَهٗ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝۱۱ لَوْلَاۤ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا ۙ وَّقَالُوْا هٰذَاۤ اِفْكٌ مُّبِيْنٌ ۝۱۲ لَوْلَا جَآءُوْ عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ ۚ فَاِذْ لَمْ يَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ۝۱۳ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِيْمَاۤ اَفَضْتُمْ فِيْهِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝۱۴ۚ اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ وَّتَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا ۖ وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ ۝۱۵ وَلَوْلَاۤ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَاۤ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا ۖ سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ ۝۱۶ يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖۤ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۱۷ۚ وَيُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝۱۸ اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۙ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۱۹ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝۲۰ ع

آیت ۱۱ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ ؕ﴾ ''جو لوگ یہ بہتان گھڑ لائے ہیں' یہ تم ہی میں سے ایک گروہ ہے۔''

﴿لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ ؕ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ﴾ ''اسے تم اپنے لیے بُرا نہ سمجھو' بلکہ یہ بھی تمہارے لیے خیر ہی ہے۔''

یہ واقعہ گویا اللہ تعالیٰ کے بہت سے احکام اور قوانین کے نزول کا ذریعہ بن گیا ہے۔ اسی کی وجہ سے امت کو شریعت کے اہم امور کی تعلیم دی جائے گی۔ اس واقعہ کا خلاصہ یوں ہے:

۶ ہجری میں رسول اللہ ﷺ غزوۂ بنی مصطلق کے لیے تشریف لے گئے۔ اس سفر میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کے ہمراہ تھیں۔ آپؓ ایک الگ ہودج (کجاوہ) میں سفر کرتی تھیں۔ واپسی کے سفر کے دوران ایک جگہ جب قافلے کا پڑاؤ تھا آپؓ صبح منہ اندھیرے قضائے حاجت کے لیے گئیں۔ واپسی پر آپؓ کا ہار کہیں گر گیا اور اس کی تلاش میں آپؓ کو اتنی دیر ہو گئی کہ قافلے کے کوچ کا وقت ہو گیا۔ جن لوگوں کو آپؓ کا ہودج اونٹ پر باندھنے اور اتارنے کی ذمہ داری تفویض کی گئی تھی انہوں نے ہودج اٹھا کر اونٹ پر باندھ دیا۔ آپؓ چونکہ بہت دُبلی پتلی تھیں اور آپؓ سمیت ہودج کا وزن بہت زیادہ نہیں ہوتا تھا' اس لیے اٹھاتے ہوئے وہ لوگ یہ اندازہ نہ کر سکے کہ ہودج خالی ہے اور آپؓ اس میں موجود نہیں ہیں۔ بہر حال جب آپؓ پڑاؤ کی جگہ پر واپس آئیں تو قافلہ کوچ کر چکا تھا۔ واپس آ کر آپؓ نے سوچا ہو گا کہ اگر پیدل قافلے کے پیچھے جانے کی کوشش کروں گی تو نہ جانے رات کے اندھیرے میں راستہ بھٹک کر کس طرف چلی جاؤں۔ اس لیے بہتر ہے کہ اسی جگہ پر بیٹھی رہوں' تاوقتیکہ لوگوں کو میرے بارے میں پتا چلے کہ میں ہودج میں نہیں ہوں اور وہ مجھے تلاش کرتے ہوئے واپس اس جگہ پہنچ جائیں۔ چنانچہ آپؓ وہیں بیٹھ گئیں۔ بیٹھے بیٹھے آپؓ کو نیند آ گئی اور آپؓ وہیں زمین پر سو گئیں۔

اس زمانے میں عام طور پر سفر کے دوران ایک شخص قافلے کے پیچھے پیچھے سفر کرتا تھا تاکہ بیماری وغیرہ کی وجہ سے اگر کوئی ساتھی پیچھے رہ گیا ہو تو اس کی مدد کرے یا قافلے کی کوئی گری پڑی چیز اٹھا لے۔ اس سفر کے دوران اس ذمہ داری پر حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ مامور تھے۔ وہ اجالے کے وقت قافلے کے پڑاؤ کی جگہ پر پہنچے تو دور سے انہیں ایک گٹھڑی سی پڑی دکھائی دی۔ قریب آئے تو اُم المؤمنین رضی اللہ عنہا کو زمین پر پڑے پایا۔ نیند کے دوران آپؓ کا چہرہ کھل گیا تھا اور حجاب کا حکم نازل ہونے سے پہلے چونکہ انہوں نے آپؓ کو دیکھا تھا اس لیے پہچان گئے۔ (حجاب کا حکم سورۃ الاحزاب میں ہے جو ایک سال پہلے ۵ ہجری میں نازل ہو چکی تھی۔ اس سے پہلے خواتین حجاب نہیں کرتی تھیں۔) حضرت صفوانؓ نے آپؓ کو دیکھ کر اونچی

آواز میں اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ پڑھا۔ یہ سن کر آپؐ کی آنکھ کھل گئی۔ انہوں نے آپؐ کے سامنے اپنا اونٹ بٹھا دیا۔ آپؐ خاموشی سے سوار ہو گئیں اور وہ نکیل پکڑے آگے آگے چلتے رہے۔ جب وہ آپؐ کو لے کر قافلے میں پہنچے تو عبداللہ بن اُبی نے اپنے خبثِ باطن کا اظہار کرتے ہوئے شور مچا دیا کہ خدا کی قسم، تمہارے نبی کی بیوی بچ کر نہیں آئی! (معاذ اللہ!) باقی منافقین نے بھی اس کی ہاں میں ہاں ملائی اور یوں یہ بے سروپا بات بڑھتے بڑھتے ایک طوفان کا روپ دھار گئی۔ منافقین کی اس سازش سے بعض بہت ہی مخلص مسلمان بھی متأثر ہو گئے، جن میں حضرت حسّان بن ثابت رضی اللہ عنہ (دربارِ نبویؐ کے شاعر) بھی تھے۔ بعد میں اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی براءت میں یہ آیات نازل فرما کر آپؐ کی پاکدامنی اور پاکبازی پر گواہی دی تو تب جا کر یہ معاملہ ختم ہوا۔ یہ واقعہ تاریخ اسلام میں ''واقعۂ اِفک'' کے نام سے مشہور ہے۔

﴿لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ ۚ﴾ ''ان میں سے ہر شخص کے لیے وہی ہے جو گناہ اُس نے کمایا۔''

جس کسی کا جتنا حصہ اس طوفان کے اٹھانے میں ہے اس کو اسی قدر اس کا بدلہ ملے گا۔

﴿وَالَّذِیْ تَوَلّٰی كِبْرَهٗ مِنْهُمْ لَهٗ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ⑪﴾ ''اور ان میں سے جس نے اس کا بڑا بوجھ اپنے سر لیا اس کے لیے تو بہت بڑا عذاب ہے۔''

اس سے مراد عبداللہ بن اُبی ہے، جو اس بہتان کے باندھنے اور اس کی تشہیر کرنے میں پیش پیش تھا۔

آیت ۱۲ ﴿لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَیْرًا ۙ﴾ ''ایسا کیوں نہ ہوا کہ جب تم لوگوں نے یہ بات سنی تو مؤمن مرد اور مؤمن عورتیں اپنے بارے میں اچھا گمان کرتے''

﴿وَّقَالُوْا هٰذَآ اِفْكٌ مُّبِیْنٌ ⑫﴾ ''اور کہہ دیتے کہ یہ تو ایک کھلا بہتان ہے!''

آیت ۱۳ ﴿لَوْلَا جَآءُوْ عَلَیْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ ۚ﴾ ''کیوں نہیں وہ لے کر آئے اس پر چار گواہ؟''

اس طرح کے الزام کے ثبوت کے لیے چار گواہ پیش کرنے کا حکم اس سے پہلے سورۃ النساء، آیت ۱۵ میں نازل ہو چکا تھا (سورۃ النساء ۴ ہجری میں نازل ہو چکی تھی)۔ چنانچہ ان

لوگوں کے لیے لازمی تھا کہ چار گواہ پیش کرتے ورنہ خاموش رہتے۔

﴿فَاِذْ لَمْ یَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ⑬﴾ ''تو جب وہ گواہ نہیں لائے تو اللہ کے نزدیک وہی جھوٹے ہیں۔''

چار گواہوں کی عدم موجودگی میں اسلامی قانون کے مطابق وہ لوگ جھوٹے ہیں۔

آیت ۱۴ ﴿وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِیْ مَآ اَفَضْتُمْ فِیْهِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ⑭﴾ ''اور اگر نہ ہوتا اللہ کا فضل اور اس کی رحمت تم پر دنیا اور آخرت میں، تو ضرور تمہیں پہنچتا بہت بڑا عذاب اس معاملے کے باعث جس کا تم نے چرچا کیا تھا۔''

آیت ۱۵ ﴿اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ﴾ ''جب تم لے رہے تھے اسے اپنی زبانوں سے''

ادھر سے بات سن کر ادھر پہنچا دینا انسانی کمزوری ہے اور اسی انسانی کمزوری کی وجہ سے کوئی بھی ہیجان انگیز بات ''منہ سے نکلی کوٹھے چڑھی'' کے مصداق دیکھتے ہی دیکھتے جنگل کی آگ کی طرح پھیل جاتی ہے۔

﴿وَتَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا لَیْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ﴾ ''اور تم اپنے مونہوں سے وہ کچھ کہہ رہے تھے جس کے بارے میں تمہیں کوئی علم نہیں تھا''

اس بارے میں جتنی باتیں تھیں سب سنی سنائی تھیں، ان کے پیچھے نہ کوئی علمی ثبوت تھا اور نہ کوئی گواہ۔

﴿وَّتَحْسَبُوْنَهٗ هَیِّنًا ۖ وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِیْمٌ ⑮﴾ ''اور تم اسے معمولی سمجھ رہے تھے، جبکہ اللہ کے نزدیک یہ بہت بڑی بات تھی۔''

کسی بھی مسلمان خاتون پر اس طرح کی تہمت لگا دینا بہت قبیح حرکت ہے، چہ جائیکہ ''بازی بازی باریش بابا ہم بازی!'' کے مصداق اُمّ المومنینؓ زوجۂ رسول کو ایسی تہمت کا ہدف بنا لیا جائے۔ اللہ کے نزدیک یہ حرکت کس قدر ناپسندیدہ ہوگی!

آیت ۱۶ ﴿وَلَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا یَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا ۖ﴾ ''اور ایسا کیوں نہ ہوا کہ جب تم نے اسے سنا تو تم کہتے کہ ہمارے لیے جائز نہیں ہے کہ ہم ایسی بات زبان پر لائیں!''

﴿سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ ﴿١٦﴾﴾ ''(اور کہتے کہ) اے اللہ! تُو پاک ہے' یہ تو ایک بہت بڑا بہتان ہے!''

آیت ١٧ ﴿يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖٓ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١٧﴾﴾ ''اللہ تمہیں نصیحت کرتا ہے کہ تم دوبارہ کبھی بھی ایسی کوئی حرکت مت کرنا' اگر تم مؤمن ہو۔''

آیت ١٨ ﴿وَيُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿١٨﴾﴾ ''اور اللہ تمہارے لیے اپنی آیات کو واضح کر رہا ہے۔ اللہ سب کچھ جاننے والا' بہت حکمت والا ہے۔''

آیت ١٩ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۙ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۭ﴾ ''بے شک جو لوگ چاہتے ہیں کہ اہلِ ایمان میں بے حیائی کا چرچا ہو' اُن کے لیے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے۔''

یعنی وہ لوگ جو مختلف حربوں سے معاشرے میں بے حیائی کو عام کرتے ہیں۔ آیت کے الفاظ اشاعتِ فحش کی تمام صورتوں پر حاوی ہیں۔ آج کل اس کا بہت بڑا ذریعہ پرنٹ میڈیا اور الیکٹرانک میڈیا ہے۔ کمرشل اشتہارات میں عورتوں کی نیم عریاں تصاویر دی جاتی ہیں۔ اس کے علاوہ برائی کی اشاعت یوں بھی ہو رہی ہے کہ ناجائز تعلقات کے سکینڈلز کی تشہیر کی جاتی ہے اور بغیر کسی معقول اور مناسب تحقیق کے اخبارات اور الیکٹرانک میڈیا کی کرامت سے ان کی خبریں دنیا بھر میں گھر گھر پہنچ جاتی ہیں۔ حتیٰ کہ چھوٹی عمر کے بچے اور بچیاں بھی ایسے بے ہودہ سکینڈلز کو پڑھتے' سنتے اور اس موضوع پر اپنی معلومات میں اضافہ کرتے ہیں۔ بہرحال ایسے واقعات کو خبر بنا کر شائع کر دینا بہت بڑا جرم ہے اور جو لوگ بھی اس کے ذمہ دار ہیں وہ اس آیت کے مصداق ہیں۔ شریعت کا حکم تو یہ ہے کہ اگر کہیں کوئی غلطی ہوئی بھی ہے تو حتی الوسع برائی کا چرچا نہ کیا جائے۔ لیکن اگر قانونی تقاضے پورے ہوتے ہوں تو مجرموں کو کٹہرے میں ضرور لایا جائے اور انہیں ایسی سزا دلوائی جائے کہ ایک کو سزا ہو اور ہزاروں کے لیے باعثِ عبرت ہو۔

﴿وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿١٩﴾﴾ ''اور اللہ خوب جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔''

آیت ٢٠ ﴿وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿٢٠﴾﴾ ''اور اگر اللہ کا فضل اور اُس کی رحمت تم لوگوں پر نہ ہوتی' اور یہ کہ یقیناً اللہ بہت مہربان' نہایت

رحم کرنے والا ہے۔''

تو یہ جو طوفان اٹھایا گیا تھا اس کے نتائج بہت دور تک جاتے۔ (اس مفہوم کے الفاظ یہاں محذوف ہیں۔)

آیات ٢١ تا ٢٦

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ وَمَنْ يَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ
الشَّيْطٰنِ فَاِنَّهٗ يَاْمُرُ بِالْفَحْشَاۗءِ وَالْمُنْكَرِ ۭ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ
مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا ۙ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ
عَلِيْمٌ ﴿٢١﴾ وَلَا يَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ اَنْ يُّؤْتُوْٓا اُولِي الْقُرْبٰى
وَالْمَسٰكِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ښ وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا ۭ اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ
يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٢٢﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ
الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۠ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿٢٣﴾ يَّوْمَ
تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٢٤﴾ يَوْمَىِٕذٍ
يُّوَفِّيْهِمُ اللّٰهُ دِيْنَهُمُ الْحَقَّ وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِيْنُ ﴿٢٥﴾ اَلْخَبِيْثٰتُ
لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ ۚ وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُوْنَ
لِلطَّيِّبٰتِ ۚ اُولٰۗىِٕكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ ۭ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿٢٦﴾

آیت ٢١ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ﴾ ''اے اہلِ ایمان! شیطان کے نقشِ قدم کی پیروی نہ کرو۔''

﴿وَمَنْ يَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ فَاِنَّهٗ يَاْمُرُ بِالْفَحْشَاۗءِ وَالْمُنْكَرِ ۭ﴾ ''اور جو کوئی شیطان کے نقشِ قدم کی پیروی کرے گا تو شیطان تو اُسے بے حیائی اور بُرائی ہی کا حکم دے گا۔''

﴿وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا ۙ﴾ ''اور اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت تمہارے شامل حال نہ ہوتی تو تم میں سے کوئی ایک بھی کبھی پاک نہ ہو سکتا''

یہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل اور اس کی رحمت ہے کہ وہ تم لوگوں کی برائیوں کی ستر پوشی کرتا

رہتا ہے اور اس طرح تمہارے راہِ راست پر آنے کے امکانات موجود رہتے ہیں۔ کیونکہ اگر انسان کی برائی کا پردہ ایک دفعہ چاک ہو جائے تو وہ ڈھیٹ بن جاتا ہے اور اس میں اصلاح کی گنجائش نہیں رہتی۔ چنانچہ یہ اللہ کی مہربانی ہے کہ وہ گناہ اور معصیت کا ارتکاب کرنے والوں کی فوری پکڑ نہیں کرتا اور اس طرح ان کے لیے اصلاح اور توبہ کا دروازہ کھلا رہتا ہے۔

﴿وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿٢١﴾﴾ ''لیکن اللہ جس کو چاہتا ہے پاک کرتا ہے۔ اور اللہ سب کچھ سننے والا' ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔''

آیت ۲۲ ﴿وَلَا يَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ﴾ ''اور قسم نہ کھالیں تم میں سے فضیلت اور کشادگی والے لوگ''

﴿اَنْ يُّؤْتُوْٓا اُولِي الْقُرْبٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۠﴾ ''اس پر کہ وہ (اپنے اموال میں سے) دیں' قرابت داروں کو' مساکین کو اور مہاجرین کو اللہ کی راہ میں''

یہاں فضیلت اور کشادگی کے روحانی اور مادی دونوں پہلو مراد ہیں' یعنی وہ لوگ جنہیں اللہ تعالیٰ نے ایمان' نیکی اور مال و دولت میں فضیلت دے رکھی ہے۔ اس آیت میں اشارہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف ہے۔ بدقسمتی سے آپؓ کے ایک قریبی عزیز مسطح بن اُثاثہ بھی مذکورہ بہتان کی مہم میں شریک ہو گئے تھے۔ وہ انتہائی غریب اور نادار تھے۔ آپؓ ان کے خاندان کی کفالت کرتے اور ہر طرح سے ان کی ضروریات کا خیال رکھتے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان کے اس رویے سے بہت رنجیدہ ہوئے کہ اس شخص نے نہ رشتہ داری کا لحاظ کیا' نہ میرے احسانات کو مدِنظر رکھا اور بغیر سوچے سمجھے میری بیٹی پر بہتان لگانے والوں کے ساتھ شریک ہو گیا۔ چنانچہ آپؓ نے غصے میں آ کر قسم کھالی کہ آئندہ میں اس شخص کی بالکل کوئی مدد نہیں کروں گا۔ اللہ تعالیٰ نے آپؓ کی اس قسم پر گرفت فرمائی کہ اس شخص سے جو غلطی ہوئی سو ہوئی' لیکن آپؓ تو بھلائی اور احسان کی روش ترک کرنے کی قسم مت کھائیں! یہ رویہ کسی طرح بھی آپؓ کی فضیلت و مرتبت کے شایانِ شان نہیں۔

﴿وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا ۭ﴾ ''اور چاہیے کہ وہ معاف کر دیں اور درگزر سے کام لیں۔''

﴿اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٢٢﴾﴾ ''کیا تم نہیں چاہتے

کہ اللہ تمہیں معاف کرے؟ اور اللہ بہت بخشنے والا' نہایت مہربان ہے۔''

خطا تو کسی بھی شخص سے ہو سکتی ہے۔ تم سب لوگ خطائیں کرتے ہو اور اللہ تمہاری خطاؤں کو معاف کرتا رہتا ہے۔ اگر تم لوگ اپنے لیے یہ پسند کرتے ہو کہ اللہ تمہاری خطائیں معاف کر دے تو پھر تمہیں بھی چاہیے کہ تم دوسروں کی خطاؤں کو معاف کر دیا کرو۔ روایات میں آتا ہے کہ یہ آیت سنتے ہی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بے ساختہ کہا: بَلٰی وَاللّٰہِ اِنَّا نُحِبُّ اَنْ تَغْفِرَلَنَا یَارَبَّنَا ''کیوں نہیں! اللہ کی قسم' اے ہمارے پروردگار! ہم ضرور یہ پسند کرتے ہیں کہ تو ہمیں معاف کر دے''۔ چنانچہ انہوں نے فوری طور پر اپنی قسم کا کفارہ ادا کیا اور حضرت مسطح رضی اللہ عنہ سے پہلے کی طرح بھلائی اور احسان کا رویہ اختیار کرنے لگے۔

آیت ۲۳ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۠ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿٢٣﴾﴾ ''یقیناً وہ لوگ جو تہمت لگاتے ہیں پاک دامن بے خبر مؤمنات پر' ان پر پھٹکار ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی' اور ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔''

''غٰفِلٰات'' سے مراد ایسی سیدھی سادھی' بھولی بھالی' معصوم عورتیں ہیں جن کے دل پاک ہیں' جو ان معاملات سے بالکل بے خبر ہیں کہ بدچلنی کیا ہوتی ہے۔ ایسی باتیں ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتیں۔

آیت ۲۴ ﴿يَّوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٢٤﴾﴾ ''جس دن اُن کے خلاف گواہی دیں گی ان کی زبانیں' اُن کے ہاتھ اور ان کے پاؤں' اس بارے میں کہ جو عمل وہ کرتے رہے تھے۔''

شَھِدَ کے بعد جب عَلٰی آتا ہے تو یہ کسی کے خلاف شہادت دینے کا مفہوم دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے حوالے سے یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لیں کہ انسان کا جسم اور اس کے تمام اعضاء اللہ تعالیٰ کی امانت ہیں۔ اگر وہ اپنے کسی عضو کو اللہ کی نافرمانی یا گناہ کے کسی کام میں استعمال کرتا ہے تو وہ عضو اپنی جگہ احتجاج تو کرتا ہے مگر انسان کی حکم عدولی نہیں کرتا' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے تمام اعضاء کو اس کے تابع کر رکھا ہے۔ لیکن قیامت کے دن یہ اعضاء اس طرح انسان کے تابع نہیں رہیں گے اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کے خلاف گواہ بن کر اس کے گناہوں کی ایک ایک تفصیل کے بارے میں بتائیں گے۔

آیت ۲۵ ﴿یَوْمَئِذٍ یُّوَفِّیْهِمُ اللّٰهُ دِیْنَهُمُ الْحَقَّ﴾ ''جس دن اللہ ان لوگوں کو پورا پورا دے گا ان کا واقعی بدلہ''

یہاں پر لفظ ''دین'' بدلے کے معنی میں آیا ہے' جیسے سورۃ الفاتحہ میں ''یَوْمِ الدِّیْنِ'' کے معنی ہیں ''بدلے کا دن۔''

﴿وَیَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِیْنُ ﴿۲۵﴾﴾ ''اور وہ جان لیں گے کہ اللہ ہی حق ہے' کھول کر بیان کرنے والا۔''

آیت ۲۶ ﴿اَلْخَبِیْثٰتُ لِلْخَبِیْثِیْنَ وَالْخَبِیْثُوْنَ لِلْخَبِیْثٰتِ ۚ﴾ ''ناپاک عورتیں ناپاک مَردوں کے لیے ہیں اور ناپاک مرد ناپاک عورتوں کے لیے۔''

﴿وَالطَّیِّبٰتُ لِلطَّیِّبِیْنَ وَالطَّیِّبُوْنَ لِلطَّیِّبٰتِ ۚ﴾ ''اور پاکباز عورتیں پاکباز مَردوں کے لیے ہیں اور پاکباز مرد پاکباز عورتوں کے لیے۔''

﴿اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا یَقُوْلُوْنَ ؕ﴾ ''یہ لوگ بَری ہیں اُن باتوں سے جو لوگ کہتے ہیں۔''

﴿لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِیْمٌ ﴿۲۶﴾﴾ ''اُن کے لیے مغفرت ہے اور رزقِ کریم ہے۔''

یہ ایک اصولی بات فرمائی گئی کہ ناپاک اور بدکردار مرد و زن ایک دوسرے کے لیے کشش رکھتے ہیں اور پاک باز مرد و زن ایک دوسرے سے طبعی مناسبت رکھتے ہیں۔ اس کی نوعیت بھی درحقیقت ایک اخلاقی تعلیم کی ہے' جیسا کہ قبل ازیں آیت ۳ میں بھی اخلاقی تعلیم دی گئی تھی کہ زانی مرد صرف زانیہ یا مشرکہ سے ہی نکاح کرے اور اسی طرح ایک زانیہ بھی صرف کسی زانی اور مشرک سے ہی نکاح کرے۔ دراصل ان ہدایات سے مراد اور مدعا یہ ہے کہ اسلامی معاشرے کا مجموعی مزاج اس قدر پاکیزہ ہو' اس کی اخلاقی حس اتنی جاندار ہو اور اس کی اخلاقی اقدار اس حد تک استوار ہوں کہ کسی بھی غلط کار فرد کے لیے' چاہے وہ مرد ہو یا عورت' مسلم معاشرے میں کوئی جگہ نہ ہو۔ ایسا فرد خود اپنی نظروں میں ذلیل ہو کر معاشرے سے مکمل طور کٹ کر رہ جائے۔

❁❁❁

بقیہ: عرضِ احوال

کیونکہ آزمائش کی ان گھڑیوں میں ہر مسلم ملک اور ہر مسلم فرد کی ذمہ داری ہے کہ وہ اُمت مسلمہ کو لاحق اجتماعی خطرات سے نکالنے کے لیے اپنا کردار ادا کرے۔ ان حالات میں تمام مسلمانوں کے سامنے ایک ہی مقصد ہونا چاہیے کہ ہم نے ہر صورت عالم اسلام کے اجتماعی دشمنوں کو شکست دینی ہے اور اس کا ایک ہی طریقہ ہے کہ ہم آپس میں اتفاق و اتحاد برقرار رکھنے کی ہر سطح پر ہر ممکن کوشش کریں۔ بقول اقبال:

بتانِ رنگ و خوں کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا
نہ تورانی رہے باقی نہ ایرانی نہ افغانی!

پاکستان کی سیاسی اور عسکری قیادت نے مشترکہ طور پر ایران اور سعودی عرب کا دورہ کرنے کا ایک اچھا فیصلہ کیا۔ اگرچہ یہ فیصلہ انہوں نے کسی فریق کے ایما پر نہیں کیا بلکہ نیک اور اچھے جذبے سے اپنے تئیں کیا' اس کے باوجود ہم سمجھتے ہیں کہ اس کے اچھے نتائج برآمد ہوں گے۔ ان شاء اللہ۔ اگر فوری طور پر صلح صفائی نہ بھی ہو سکی تب بھی اس دورہ کا یہ فائدہ ہوا ہے کہ حالات مزید نہیں بگڑ رہے بلکہ ٹھہراؤ آ گیا۔ صدرِ چین نے بھی دونوں ممالک کا دورہ کرنا ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ چین کا رول بھی مثبت ہوگا' لیکن مغرب اور امریکہ کی ریشہ دوانیوں سے بچنے کی ضرورت ہے۔ صدر اوباما نے سالانہ یونین آف سٹیٹ خطاب میں جو کچھ کہا اور جس طرح پاکستان' افغانستان' مشرق وسطیٰ اور شمالی افریقہ کے ممالک میں عدم استحکام کا ذکر کیا اُس سے امریکہ کی نیت کا فتور سامنے آ گیا ہے۔ یہ سیاسی تجزیہ نہیں ہے بلکہ اپنی منصوبہ بندی بتائی گئی ہے۔ اُن کے نزدیک عدم استحکام کا خدشہ صرف ان علاقوں میں ہے جہاں مسلمان ممالک واقع ہیں لہٰذا اس بات کو سمجھنے کے لیے کسی پیچیدہ فلسفہ یا سائنسی مہارت کی ضرورت نہیں کہ امریکہ اور اس کے اتحادی عالم اسلام کو سنگل آؤٹ کر کے ٹارگٹ کر رہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ عالم اسلام میں جب تک نظامِ خلافت قائم تھا' مختلف' رنگ' نسل اور زبان کے حامل مسلمان ایک ملت کی صورت میں باہم متحد و منظم تھے۔ پھر دشمنانِ اسلام کی سازشوں سے جب تمام مسلمانوں کا یہ نمائندہ ادارہ ختم ہو گیا تو ملتِ اسلامیہ کا شیرازہ بکھر کر پارہ پارہ ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو نظام خلافت کی ضرورت و اہمیت کو از سرِ نو سمجھنے اور اسے قائم کرنے کی پرخلوص جدوجہد کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ اُمت مسلمہ کو ہدایت عطا فرمائے اور اس کا حامی و ناصر ہو۔ آمین!

❁❁❁

ایمان کے ظاہری و باطنی ثمرات اور تقربِ الٰہی کے ذرائع

بانیٔ تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

کے ۲۵ جولائی اور یکم اگست ۲۰۰۸ء کے خطاباتِ جمعہ

خطبۂ مسنونہ کے بعد:

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

﴿اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ﴾ (البقرۃ:۲۵۶)

﴿اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝۶۲ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۝۶۳ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ؕ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝۶۴﴾ (یونس)

﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ ۚ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ۝۱۶﴾ (قٓ)

﴿كَلَّا ؕ لَا تُطِعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ۝۱۹﴾ (العلق)

﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ ؕ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا ۝۵۷﴾ (بنی اسرائیل)

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ:

((اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی قَالَ: مَنْ عَادٰی لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ آذَنْتُہٗ بِالْحَرْبِ —— وَمَا تَقَرَّبَ اِلَیَّ عَبْدِیْ بِشَیْءٍ اَحَبَّ اِلَیَّ مِمَّا افْتَرَضْتُہٗ عَلَیْہِ ، وَمَا یَزَالُ عَبْدِیْ یَتَقَرَّبُ اِلَیَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰی اُحِبَّہٗ ، فَاِذَا اَحْبَبْتُہٗ کُنْتُ سَمْعَہُ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِہٖ

وَبَصَرَہُ الَّذِیْ یُبْصِرُ بِہٖ وَیَدَہُ الَّتِیْ یَبْطِشُ بِھَا وَرِجْلَہُ الَّتِیْ یَمْشِیْ بِھَا ، وَاِنْ سَاَلَنِیْ لَاُعْطِیَنَّہٗ ، وَلَئِنِ اسْتَعَاذَنِیْ لَاُعِیْذَنَّہٗ)) (۱)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جو شخص میرے کسی ولی (دوست) سے عداوت رکھے تو میرا اس سے اعلانِ جنگ ہے —— میرا بندہ میرے فرض کردہ امور کے سوا کسی اور چیز کے ذریعے میرے زیادہ قریب نہیں آ سکتا۔ میرا بندہ نوافل (نفلی عبادات) کے ذریعے میرے قریب ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں، اور جب میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں تو میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اور اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے، اور اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔ وہ مجھ سے مانگے تو میں اسے ضرور دیتا ہوں اور مجھ سے پناہ طلب کرے تو میں اسے ضرور پناہ دیتا ہوں۔''

معزز سامعین کرام!

اربعین نووی کی حدیث ۳۸ آج ہمارے زیر مطالعہ ہے اور یہ حدیث تصوف کے موضوع پر بہت اہمیت کی حامل ہے۔ یوں سمجھئے کہ ہمارے ہاں جو مضامین ''تصوف'' کے عنوان سے بیان ہوتے ہیں، ان کا ایک بہترین بیان زیر مطالعہ حدیث قدسی میں ہے۔ البتہ یہ یاد رکھیے کہ قرآن و حدیث میں کہیں بھی تصوف کا لفظ نہیں آیا اور یہ بعد کی اصطلاح ہے جس کے بارے میں یقین کے ساتھ یہ بھی معلوم نہیں کہ اس لفظ کا ماخذ (origin) کیا ہے۔ زیادہ تر لوگوں کا خیال ہے کہ یہ ''صوف'' (بمعنی اون) سے بنا ہے۔ تابعین کے زمانے میں جو ابتدائی صوفی تھے وہ اونی کپڑے پہنا کرتے تھے، تاکہ اون ان کے جسم کو تکلیف پہنچاتی رہے۔ بنیان وغیرہ کا تو سوال ہی نہیں تھا۔ اون جسم کے لیے باعث راحت نہیں ہوتی بلکہ وہ تو جسم کو کاٹتی رہتی ہے —— اون کو عربی میں صوف کہتے ہیں تو صوف سے صوفی اور پھر اسی سے تصوف بن گیا۔ بہرحال تصوف کے ماخذ کے حوالے

(۱) صحیح البخاری، کتاب الرقاق، باب التواضع۔

سے مختلف آراء ہیں‘ میں اس وقت تفصیل میں نہیں جا سکتا۔ البتہ حدیث میں اس کے لیے لفظ ’’احسان‘‘ آیا ہے اور ہم ’’حدیثِ جبریل‘‘ کے مطالعے میں اس کے بارے میں تفصیل سے پڑھ چکے ہیں۔ درحقیقت وہی مضمون زیرِ مطالعہ حدیث میں ذرا مختلف انداز میں آ رہا ہے۔ اس ضمن میں‘ میں یہ بھی عرض کر دوں کہ زیرِ مطالعہ حدیث میں بعض نہایت ’’خطرناک‘‘ مضامین بھی آئے ہیں۔ خطرناک اس اعتبار سے کہ بہت باریک اور حساس ہیں اور ان کے ضمن میں گمراہی میں مبتلا ہونے کا امکان موجود ہے‘ لہٰذا اس پہلو سے بہت ہی محتاط رہ کر بات کرنی پڑے گی۔

ولی کون ہوتا ہے؟

زیرِ مطالعہ حدیث کے دو حصے ہیں اور پہلا حصہ قدرے مختصر ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا ہے: ((مَنْ عَادٰی لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ آذَنْتُهٗ بِالْحَرْبِ)) ’’جس شخص نے میرے کسی ولی کے ساتھ دشمنی رکھی تو اس کے خلاف میری جانب سے اعلانِ جنگ ہے‘‘۔ اب یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ ولی کسے کہتے ہیں اور اللہ کے ولی کون ہیں۔ اس کے بارے میں لوگوں کے ذہنوں میں مختلف تصورات ہیں۔ عمومی تصور یہی ہے کہ ولی وہ ہوتا ہے جس سے کچھ خارقِ عادت باتیں ظاہر ہو جائیں‘ کرامات ظاہر ہوں‘ جو غیب کی کچھ باتیں بھی بتا دے اور کچھ مستقبل کی بھی۔ مزید یہ کہ اس کی زندگی میں شریعت کی پیروی بھی موجود ہو اور نظر بھی آ رہی ہو‘ یعنی اس کا لباس اور اس کی وضع قطع سنت کے بہت قریب ہو۔ ولی کے حوالے سے یہ تصورات ہمارے ذہنوں میں ہیں‘ جو غلط نہیں ہیں‘ لیکن سب سے پہلے گہرائی میں سمجھئے کہ ولی ہوتا کون ہے۔

اس سے بھی پہلے یہ بنیادی بات جان لیجیے کہ ولایت کا رشتہ یک طرفہ نہیں‘ دوطرفہ ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان کا ولی ہے اور اہلِ ایمان اللہ کے ولی ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان سے محبت کرتا ہے اور اہلِ ایمان اللہ سے محبت کرتے ہیں۔ تو یہ دوطرفہ معاملہ ہے۔ اب آتے ہیں اصل سوال کی طرف کہ ولی کون ہوتا ہے۔

ولی اور ولایت کو سمجھنے کے لیے میں نے ابتدا میں دو آیات تلاوت کی ہیں۔ ایک سورۃ البقرۃ میں آیت الکرسی کے فوراً بعد کی آیت ہے۔ فرمایا: ﴿اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا.....﴾ ’’اللہ تعالیٰ اہل ایمان کا ولی ہے.....‘‘ دوست‘ ساتھی‘ مددگار‘ پشت پناہ‘ یہ سارے الفاظ جمع کر لیں‘ لفظ ولی ان سب پر محیط ہے۔ اللہ اہل ایمان کا ولی ہے اور اس کا ظہور یوں ہوتا ہے: ﴿یُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ﴾ (آیت ۲۵۷) ’’وہ نکالتا رہتا ہے اہل ایمان کو تاریکیوں سے نور کی طرف‘‘۔ تاریکیوں سے نور کی طرف آنا ایک تدریجی (gradual) عمل ہے۔ اس کا آغاز تو اسی وقت ہو جائے گا جب کوئی شخص زبان سے کلمہ شہادت (اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ) ادا کرے گا۔ یہاں سے وہ رشتہ شروع ہو گیا اور پھر اس رشتے میں ترقی ہوتی ہے اور یہ تدریجاً آگے بڑھتا ہے۔ ایمان لانے کے بعد انسان کفر اور شرک کی تاریکیوں سے نکل کر ایمان کے نور میں آ گیا‘ لیکن اس کے بعد ابھی اور بہت سے پردے ہیں جنہیں چاک کرنا ہوگا‘ جن میں سے نکلنا ہوگا۔ اور پھر جیسے جیسے یہ تاریکیاں چھٹتی جائیں گی تو اس نور کے اندر اضافہ ہوتا جائے گا۔

یہی مضمون سورۃ التحریم میں بھی آیا ہے کہ قیامت کے دن اہلِ ایمان کا نور ان کے آگے اور داہنی طرف دوڑتا ہوگا اور وہ اللہ ربّ العزت سے دعا کریں گے: ﴿رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا ۚ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝۸﴾ ’’اے ہمارے رب! ہمارے لیے ہمارے نور کو کامل کر دے اور تو ہمیں بخش دے‘ یقیناً تو ہر شے پر قادر ہے‘‘۔ اِتمامِ نور کی دعا کی وجہ یہ ہے کہ دنیا میں سب لوگ ایمان میں برابر نہیں تھے۔ ایک ایمان حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا تھا اور ایک عام صحابی کا تھا اور ایک ہم میں سے کسی کا ہے تو ان میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ پھر اسی نسبت و تناسب (ratio proportion) سے میدانِ حشر میں نور ملے گا۔ اُس وقت وہاں اور کوئی نور نہیں ہوگا‘ بلکہ گھپ اندھیرا ہوگا اور اسی اندھیرے میں پل صراط پر سے گزرنا ہوگا جس کے نیچے جہنم ہے۔ ذرا ٹھوکر کھائی اور گئے جہنم میں۔ اس کا نقشہ سورۃ الحدید میں کھینچا گیا ہے کہ اہل ایمان تو پل صراط سے

گزر جائیں گے‘اس لیے کہ ان کے پاس نور ہوگا‘ان کے سامنے بھی اور داہنی طرف بھی۔سامنے تو ایمان کا نور ہوگا‘ جبکہ داہنی طرف اعمالِ صالحہ کا نور ہوگا۔جبکہ منافقوں کے پاس کوئی نور نہیں ہوگا۔دنیا میں چونکہ وہ اہل ایمان کے ساتھ رہتے تھے تو وہاں وہ اہل ایمان سے کہیں گے :﴿اُنْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ ۚ﴾ (آیت ۱۳)’’ذرا ہمارا انتظار کرو کہ ہم بھی تمہاری روشنی سے فائدہ اٹھالیں۔‘‘

اس نور کے بارے میں روایات میں آتا ہے کہ کسی کے پاس اتنا نور ہوگا کہ مدینہ منورہ سے صنعاء تک اس کی روشنی چلی جائے گی اور کسی کا نور بس اتنا ہوگا کہ جس سے صرف اس کے قدموں کے آگے روشنی ہوجائے گی۔ایسا شخص بھی اُس دن بہت خوش قسمت ہوگا‘اس لیے کہ جنگل میں چلتے ہوئے اگر کسی کے ہاتھ میں ٹارچ بھی ہو جس کی روشنی بہت دور تک تو نہیں جاسکتی‘لیکن قدموں کے آگے تو نظر آجاتا ہے کہ کوئی گڑھا تو نہیں‘ کوئی سانپ تو نہیں بیٹھا ہوا۔چنانچہ اتنا نور بھی غنیمت اور بڑی نعمت شمار ہوگا۔اس کا دوسرا پہلو سورۃ التحریم کی زیرِ مطالعہ آیت میں بیان کیا گیا ہے کہ جن کے پاس نور کم ہوگا تو وہ اللہ سے دعا کریں گے کہ پروردگار! ہمارے گناہوں کی وجہ سے ہمارا نور مدھم ہے‘ پس تو ہمیں بخش دے اور ہماری مغفرت فرمادے اور ہمارے نور کی تکمیل کردے۔ اسی طرح سورۃ البقرۃ میں بتایا گیا کہ اللہ اپنے ولیوں کو تاریکیوں سے نکال کر نور کی طرف لاتا رہتا ہے۔

دوسری آیت جو میں نے ابتدا میں تلاوت کی‘ یہ سورۂ یونس کی آیت ہے جو بہت عام ہے اور اکثر وعظوں‘ تقریروں اور عوامی جلسوں میں پڑھی جاتی ہے۔اس آیت میں اولیاء اللہ کے بارے میں فرمایا جارہا ہے :﴿اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۶۲﴾﴾’’آگاہ ہوجاؤ! اللہ کے دوستوں پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے‘‘۔اگلی آیت میں اولیاء اللہ کی تعریف بایں الفاظ کی گئی ہے:﴿اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿۶۳﴾﴾’’وہ لوگ جو صاحب ایمان ہوں اور تقویٰ کی روش اختیار کریں‘‘۔﴿لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۭ﴾’’ان کے لیے بشارتیں

ہیں دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی‘‘۔﴿لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۶۴﴾﴾’’اللہ کی باتوں میں کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی۔یہی تو ہے بہت بڑی کامیابی۔‘‘

ایمان اور تقویٰ کے مراحل

ان آیات میں واضح کردیا گیا کہ اللہ کا ولی وہ ہے جو ایمانِ حقیقی سے بہرہ مند ہو اور تقویٰ کی روش اختیار کیے ہوئے ہو۔اب ایمان کے مختلف مراحل ہیں۔ایمان کا پہلا قدم تو شہادت یعنی زبانی گواہی ہے اور اس کا دوسرا قدم ہے دل میں یقین کا پیدا ہو جانا۔سورۃ الحجرات کی یہ آیت میرے بیان میں بہت مرتبہ آئی ہے:﴿قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ۭ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ۭ﴾ (آیت ۱۴)’’یہ بدو کہہ رہے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں۔(اے نبی ﷺ ان سے) کہہ دیجیے: تم ہرگز ایمان نہیں لائے ہو‘ بلکہ تم یوں کہو کہ ہم مسلمان (اطاعت گزار) ہو گئے ہیں اور ایمان ابھی تک تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا ہے‘‘۔یہ بدو دعویٰ تو ایمان کا کر رہے ہیں لیکن حقیقت میں یہ اسلام لائے ہیں‘ ایمان ابھی نہیں لائے اور یہ اپنے ایمان کے دعوے میں تب سچے ہوں گے جب ان کے دل کے اندر یقین پیدا ہو جائے گا۔دل میں یقین کا پیدا ہوجانا ایمان کا دوسرا قدم ہے اور پھر اس سے اگلا مرحلہ یہ ہے کہ اس یقین کی پختگی اتنی ہو جائے کہ جیسے اپنی آنکھوں سے کسی چیز کو دیکھ کر یقین ہوتا ہے‘ جسے عین الیقین کہا جاتا ہے۔یہ یقین کا اعلیٰ ترین درجہ ہے اور یہی ’’احسان‘‘ ہے کہ یہ احساس پیدا ہو جائے کہ میں اللہ کو دیکھ رہا ہوں یا یہ یقین تو کم سے کم ہو جائے کہ اللہ مجھے دیکھ رہا ہے اور میں اللہ تعالیٰ کی نگاہوں میں ہوں۔چنانچہ ایمان کے تین درجے ہوگئے۔درجہ اول زبانی گواہی‘ درجہ دوم یقین قلبی اور درجہ سوم عین الیقین‘ اور اسی کا نام احسان ہے اور یہی تصوف کی منزل ہے کہ یقین اس درجے میں ہو جانا گویا انسان اللہ کو دیکھ رہا ہے یا کم سے کم ہر وقت یہ استحضار رہے کہ میں اللہ کی نگاہوں میں ہوں۔

اسی طرح تقویٰ کے بھی مختلف مراحل ہیں۔شراب کی حرمت کے ضمن میں آنے

والی آخری آیات یعنی سورۃ المائدۃ کی آیات ۹۰‘ ۹۱‘ ۹۲ میں جب شراب کے بارے میں آخری حکم آیا تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو تشویش لاحق ہوگئی کہ شراب نجس چیز تھی اور ہمیں تو پیتے ہوئے عمریں بیت گئی ہیں۔ شراب عرب کے کلچر کا جزوِ لازم تھی‘ جیسے آج مغرب کی تہذیب میں جزوِ لازم ہے اور شراب کے بغیر کسی کھانے کا تصور نہیں ہے‘ تو شراب پیتے سالہا سال ہو گئے تھے۔ چنانچہ جب لوگوں میں تشویش پیدا ہوئی تو ان کی تسلی کے لیے فرمایا گیا: ﴿لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا﴾ ’’ان لوگوں پر جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے کوئی گناہ نہیں ہے اس میں جو وہ (پہلے) کھا پی چکے‘‘۔ یعنی اس آخری حکم کے آنے سے پہلے جو کچھ کھایا پیا وہ اب معاف‘ لیکن اس کی چند شرائط بھی ساتھ ہی بیان ہوئیں۔ وہ یہ ہیں کہ: ﴿اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ ’’جب تک وہ تقویٰ کی روش اختیار کیے رکھیں اور ایمان لائیں اور نیک عمل کریں‘‘ ﴿ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا﴾ ’’پھر مزید تقویٰ اختیار کریں اور ایمان لائیں‘‘ ﴿ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا ؕ﴾ ’’پھر اور تقویٰ میں بڑھیں اور درجۂ احسان پر فائز ہو جائیں‘‘۔ ﴿وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۹۳﴾﴾ ’’اور اللہ تعالیٰ محسنوں سے محبت کرتا ہے‘‘۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ تقویٰ کے بھی تین درجات ہیں۔ گویا ایمان اور تقویٰ دونوں کے تین تین مراحل ہوئے۔

ایمان کے ظاہری اور باطنی ثمرات

اب میں تھوڑا سا تجزیہ کر کے آپ کو بتا دوں کہ ایمان کے ثمرات کیا ہیں اور ایمان کا ظہور کن شکلوں میں ہوتا ہے۔ ایک تو ایمان کے خارجی ثمرات ہیں اور ایک باطنی۔ مثال کے طور پر یوں سمجھئے کہ آم کا درخت ہے تو ظاہر بات ہے کہ اس میں آم ہی لگیں گے‘ لیکن ایمان ایک ایسا درخت ہے جس میں دو طرح کے پھل لگتے ہیں۔ ایک ظاہری جو نظر آتے ہیں اور ایک باطنی جو نظر نہیں آتے۔ پہلے ظاہری پھل کی بات کرتے ہیں۔

(۱) سمع وطاعت: پہلا ظاہری پھل ہے۔ یعنی اللہ اور رسول ﷺ کو مانا ہے تو اب اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی کلی اطاعت بھی کرو۔ قرآن حکیم میں کئی مقامات پر یہ حکم آیا ہے:

﴿وَاسْمَعُوْا وَاَطِيْعُوْا﴾ ’’سنو اور اطاعت کرو‘‘۔

(۲) جہاد فی سبیل اللہ: دوسرا ظاہری پھل ’’جہاد فی سبیل اللہ‘‘ یعنی اللہ کی راہ میں جہاد کرنا ہے۔ آگے جہاد کے دو کھاتے ہو جائیں گے: (۱) دعوت یعنی اللہ کے پیغام کو دنیا تک پہنچانا۔ (۲) اقامت یعنی اللہ کے دین کو قائم کرنا‘ نظامِ الٰہی کو غالب کرنا‘ اس جدوجہد میں تن من دھن لگانا‘ مال اور اپنے جسم و جان کی قوتوں اور صلاحیتوں کو اس میں صرف کرنا۔ اب یہ چیزیں خارجی ہیں جو نظر آتی ہیں۔ کسی شخص میں اطاعت ہے یا نہیں‘ نظر آ جائے گا۔ نماز پڑھتا ہے یا نہیں پڑھتا‘ روزہ رکھتا ہے یا نہیں رکھتا‘ حلال و حرام پر کاربند ہے یا نہیں ہے‘ تو یہ سب نظر آ جائے گا۔ اسی طرح جہاد کر رہا ہے‘ دعوت دے رہا ہے‘ تبلیغ کر رہا ہے‘ قرآن پڑھ رہا ہے‘ پڑھا رہا ہے‘ سکھا رہا ہے‘ پھیلا رہا ہے‘ پہنچا رہا ہے‘ اور ایک جماعتی نظم اور ڈسپلن کے ساتھ اللہ کے دین کو قائم کرنے کی جِدّوجُہد میں لگا ہوا ہے تو یہ سب ایمان کے خارجی یا ظاہری ثمرات ہیں۔

(۳) تسلیم ورضا: ان کے علاوہ ایمان کے بعض باطنی ثمرات بھی ہیں اور ان میں سب سے پہلی چیز ہے: ’’تسلیم و رضا‘‘ یعنی جو کچھ بھی اللہ کی طرف سے آئے بغیر کسی شکوے اور شکایت سے قبول کرو: ﴿مَا اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ﴾ (التغابن: ۱۱) ’’جو مصیبت بھی تم پر آئی ہے وہ اللہ کے اذن کے بغیر نہیں آئی ہے‘‘۔ اللہ نے منظوری دی ہے تو یہ دکھ تمہیں پہنچا ہے۔ ابوجہل لاکھ کوشش کے باوجود کسی صحابی کو نہیں مار سکتا تھا اور نہ وہ حضرات سمیہ اور یاسر رضی اللہ عنہما کو شہید کر سکتا تھا اگر اللہ کی طرف سے اجازت نہ ہوتی۔ اگر اذنِ رب نہ ہوتا تو اس کا ہاتھ ہی شل ہو جاتا اور کوڑا مارنے کے لیے ہاتھ اٹھا ہی نہ سکتا۔ چنانچہ اللہ کی جانب سے جو بھی آئے اسے من جانب اللہ سمجھ کر صبر و استقامت سے قبول کرو اور اللہ کی تقدیر پر راضی ہو جاؤ۔ اس کو کہتے ہیں: ’’راضی برضائے رب‘‘۔ اس کے بڑے اونچے اونچے مقامات ہیں‘ جو اِس وقت بیان کرنے کا موقع نہیں ہے۔ ؎

رضائے حق پہ راضی رہ یہ حرفِ آرزو کیسا؟
خدا خالق‘ خدا مالک‘ خدا کا حکم‘ تو کیسا؟

یعنی تم ہوتے کون ہو کہ تم اللہ کو کوئی مشورہ دے سکو۔ یہ اکبر الٰہ آبادی کا بڑا عارفانہ شعر ہے۔ اگرچہ مشہور تو وہ مزاحیہ شاعری کے لیے ہیں‘ لیکن ان کے بہت سے صوفیانہ اشعار بھی ہیں اور یہ شعر بھی بہت کمال کا ہے۔ ؎

ہم بھی تسلیم کی خو ڈالیں گے
بے نیازی تیری عادت ہی سہی!

یعنی جو تیرا فیصلہ ہے وہ دل سے قبول ہے اور اس کے سامنے سرِ تسلیم خم ہے‘ ع ’’سرِ تسلیم خم ہے جو مزاجِ یار میں آئے!‘‘

(۴) تفویض الامر الی اللہ: اسی کا ایک حصہ تفویض الامر ہے یعنی اپنے معاملے کو اللہ کے حوالے کر دینا۔ یہ بھی ایک ذہنی اور اندر کی نفسیاتی کیفیت ہے: ﴿وَاُفَوِّضُ اَمْرِیْٓ اِلَی اللّٰہِ ط اِنَّ اللّٰہَ بَصِیْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۴۴﴾﴾ (المؤمن) ’’اور میں تو اپنا معاملہ اللہ کے حوالے کرتا ہوں۔ اللہ یقیناً اپنے بندوں کو دیکھ رہا ہے‘‘۔ میں کاہے کو چنتا کروں‘ کاہے کو تشویش میں مبتلا ہو جاؤں۔ میرا رب میری تمام ضروریات کو جانتا ہے۔ میں نے آپ کو بتایا ہے کہ ایمان کے درجات میں انسان ترقی کرتے کرتے اس مقام تک پہنچ جاتا ہے جہاں دعا بھی محدود ہو جاتی ہے۔ دعا صرف یہ رہ جاتی ہے کہ اے اللہ میری ہدایت میں اور اضافہ کر! اے اللہ میرے علم میں اور اضافہ کر! اے اللہ مجھے اپنے ایمان پر استقامت عطا فرما! باقی یہ دعا کہ اے اللہ مجھے یہ دے دے‘ یہ دے دے! اس سے بندۂ مؤمن مستغنی ہو جاتا ہے۔ اس کا مطلب تو یہ ہے کہ تم اللہ کو سکھا رہے ہو‘ اللہ کو پڑھا رہے ہو۔ تمہیں کیا پتا یہ شے تمہارے حق میں ٹھیک بھی ہے یا نہیں: ﴿وَعَسٰٓی اَنْ تَکْرَھُوْا شَیْئًا وَّھُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ ج وَعَسٰٓی اَنْ تُحِبُّوْا شَیْئًا وَّھُوَ شَرٌّ لَّکُمْ ط وَاللّٰہُ یَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۱۶﴾﴾ (البقرۃ) ’’اور ہو سکتا ہے کہ تم کسی شے کو ناپسند کرو اور وہ تمہارے لیے بہتر ہو۔ اور ہو سکتا ہے کہ تم کسی چیز کو پسند کرو درآنحالیکہ وہی تمہارے لیے بری ہو۔ اور اللہ جانتا ہے‘ تم نہیں جانتے‘‘۔ چنانچہ اپنے معاملات کو اللہ کے حوالے کر دو‘ کیونکہ وہ بہتر جاننے والا ہے۔

تفویض الامر ایمان کا باطنی ثمر ہے اور اس کے لیے ایک بہت پیارا شعر ہے: ؎

کارسازِ ما بہ فکرِ کارِ ما
فکرِ ما در کارِ ما آزارِ ما

میرا کارساز خود میرے معاملے کی فکر کر رہا ہے تو مجھے فکر کی کیا ضرورت ہے۔ جب میں اپنے معاملات میں خود غور و فکر کر کے نتیجہ نکالتا ہوں تو وہ اُلٹا پڑتا ہے اور میرے لیے باعث تکلیف ہو جاتا ہے۔ تو اس کا حل یہی ہے کہ میں اپنے معاملات کو اللہ کے حوالے کر دوں ـــــ ہم پچھلی حدیث میں پڑھ چکے ہیں‘ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب میرا بندہ اپنے کسی بھائی کے کام میں لگا ہو تو میں اس کے کام میں لگ جاتا ہوں۔ چنانچہ آپ اللہ کے کام میں لگ جائیے‘ اللہ کے دین کے لیے تن من دھن لگا دیجیے تو اللہ آپ کے سارے کام پورے کرے گا۔

(۵) توکل علی اللہ: ایمان کے باطنی ثمرات میں سے ایک توکّل علی اللہ ہے‘ یعنی کسی مادی ذریعے اور سبب پر کوئی اعتماد اور توکل نہ رہے‘ سوائے اللہ کے جو مسبّب الاسباب ہے۔ حضور ﷺ سے بھی فرمایا گیا تھا: ﴿وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَایْءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِکَ غَدًا ﴿۲۳﴾ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰہُ ﴾ (الکھف) ’’اور کسی چیز کے بارے میں کبھی یہ نہ کہا کریں کہ میں یہ کام کل ضرور کر دوں گا‘ مگر یہ کہ اللہ چاہے!‘‘ کسی بھی کام کے ارادے کے ساتھ ان شاء اللہ کہنا چاہیے‘ یعنی اگر اللہ نے چاہا تو میں یہ کام کروں گا۔ ایک شخص کہتا ہے کہ کل صبح میرا فلاں جگہ جانے کا ارادہ ہے اور میں نے گاڑی بھی تیار کر رکھی ہے‘ اس کی سروس بھی ہو گئی ہے‘ ٹیوننگ بھی ہو گئی ہے‘ پٹرول کی ٹینکی بھی بھری ہوئی ہے‘ بس صبح اٹھوں گا اور چل دوں گا۔ گویا وہ بھول گیا کہ اس کے ارادے اور بالفعل کام کے ہونے کے درمیان بھی بہت سے مراحل ہیں۔ جیسے انگریزی میں کہا جاتا ہے:

There is many a slip between the cup and the lip.

اہلِ مکّہ نے یہودیوں کے سکھانے پر رسول اللہ ﷺ سے تین سوال کیے تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ ان کا جواب میں کل دے دوں گا۔ اس موقع پر آپؐ نے سہواً ’’ان شاء اللہ‘‘ نہیں فرمایا۔ آپؐ کے ذہن میں تھا کہ جبریل علیہ السلام روزانہ تو آتے ہیں‘ ان سے پوچھ لوں گا

اور جواب دے دوں گا‘ مگر وہ نہیں آئے تو صورتِ حال یہ بنی کہ تالیاں پٹ رہی ہیں‘ طنزیہ باتیں ہو رہی ہیں‘ طعنے دیے جا رہے ہیں کہ کہاں ہے جواب؟ غالباً تین دن کے بعد جبرائیلؑ جوابات لے کر آئے‘ لیکن ساتھ ہی یہ آیت بھی نازل ہوئی: ﴿وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَایْءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ﴿۲۳﴾ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ﴾ کہ آئندہ کسی چیز کے لیے کبھی نہ کہیے گا کہ میں کل ضرور کر دوں گا مگر ساتھ ان شاء اللہ بھی کہیں۔ چنانچہ اعتماد اور بھروسہ نہ اپنی قوت وصلاحیت اور ذہانت وفطانت پر ہو‘ نہ مادی اسباب ووسائل پر‘ بلکہ اللہ عزوجل پر ہو۔ اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ مادی ذرائع اور وسائل استعمال نہ کیے جائیں‘ بلکہ بھرپور طور پر استعمال کرو۔ بیمار پڑ جاؤ تو لازماً علاج کراؤ‘ یہ سنت ہے‘ لیکن یہ نہ سمجھو کہ اس علاج سے شفا ہوگی‘ بلکہ یہ عقیدہ رکھو کہ شفا اللہ تعالیٰ دے گا۔ مجھے اپنے بچپن کے حالات یاد ہیں۔ اب تو ہمارا کلچر بہت تبدیل ہو چکا ہے‘ جبکہ ہماری بڑی بوڑھی عورتیں بچوں کو دوائی پلاتے ہوئے کہتی تھیں: ’’اللہ شافی‘ اللہ کافی!‘‘ کہ شافی تو اللہ ہے اور وہی کافی ہے۔ بہرحال علاج کرانا سنت ہے‘ لیکن اس حد تک چلے جانا کہ لاکھوں روپے خرچ کر کے علاج کے لیے انگلستان جا رہے ہیں‘ یہ رویہ بھی صحیح نہیں ہے‘ بلکہ مناسب یہ ہے کہ اپنے ذرائع میں رہتے ہوئے آپ ایک حد تک علاج کرائیے اور ساتھ یہ یاد رکھیے کہ شفا تو اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ گویا اللہ شافی‘ اللہ کافی!

(۶) اللہ اور رسولؐ سے محبت: اسی میں اب تین چیزیں اور شامل کر لیجیے‘ جن میں سب سے پہلی چیز محبت ہے: ﴿وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ﴾ (البقرۃ:۱۶۵) ’’اور جو لوگ واقعتاً صاحبِ ایمان ہوتے ہیں ان کی شدید ترین محبت اللہ کے ساتھ ہوتی ہے‘‘۔ یعنی اللہ کے ساتھ شدید ترین محبت ہو‘ اور پھر اس محبت میں رسول کو بھی بریکٹ کیا گیا ہے۔ فرمایا:

﴿قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِیْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَیْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِیْ سَبِیْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ﴾ (التوبۃ:۲۴)

’’(اے نبی ﷺ! ان سے) کہہ دیجیے کہ اگر تمہارے باپ‘ تمہارے بیٹے‘ تمہارے بھائی‘ تمہاری بیویاں (اور بیویوں کے لیے شوہر)‘ تمہارے رشتہ دار اور وہ مال جو تم نے بہت محنت سے کمائے ہیں‘ اور وہ تجارت جس کے مندے کا تمہیں خطرہ رہتا ہے‘ اور وہ مکانات جو تمہیں بہت پسند ہیں‘ (اگر یہ سب چیزیں) تمہیں محبوب تر ہیں اللہ‘ اُس کے رسول اور اُس کے راستے میں جہاد سے‘ تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ سنا دے۔‘‘

لہٰذا اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی شدید ترین محبت دل میں موجود ہو اور پھر اس محبت میں اللہ کے لیے جہاد کی محبت بھی شامل ہونی چاہیے۔

(۷) محبت کے ساتھ حمیت: یاد رکھیے کہ یہ محبت صرف حمد کے ترانوں اور نعت کے لہک لہک کے پڑھنے میں نہیں ہے۔ اس محبت کے ساتھ دوسرا پہلو حمیت بھی ہوتا ہے کہ اللہ کا دین پامال ہے اور میں اپنے دھندوں میں لگا ہوا ہوں تو وہ حمیت کہاں گئی‘ ع ’’حمیت نام تھا جس کا گئی تیمور کے گھر سے‘‘۔ اسی بارے میں وہ حدیث آتی ہے جسے حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اَوْحَی اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ اِلٰی جِبْرِیْلَ علیہ السلام اَنِ اقْلِبْ مَدِیْنَةَ كَذَا وَكَذَا بِاَهْلِهَا ‘ قَالَ :یَا رَبِّ اِنَّ فِیْهِمْ عَبْدَكَ فُلَانًا لَمْ یَعْصِكَ طَرْفَةَ عَیْنٍ ‘ قَالَ: فَقَالَ: اِقْلِبْهَا عَلَیْهِ وَعَلَیْهِمْ‘ فَاِنَّ وَجْهَهٗ لَمْ یَتَمَعَّرْ فِیَّ سَاعَةً قَطُّ)) (۱)

’’اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو وحی کے ذریعے سے حکم دیا کہ فلاں فلاں شہروں کو اس کے رہنے والوں پر الٹ دو (تلپٹ کر دو‘ جیسے کہ سدوم اور عامورہ کی بستیوں کے ساتھ کیا گیا‘ جہاں حضرت لوط علیہ السلام کو بھیجا گیا تھا)۔ اس پر جبرائیلؑ نے عرض کیا: اے رب! ان لوگوں میں تو تیرا فلاں بندہ بھی ہے جس نے کبھی پلک جھپکنے جتنی دیر بھی تیری معصیت میں بسر نہیں کی۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں اس پر اللہ نے فرمایا: الٹو اس بستی کو پہلے اس (بدبخت) پر‘ پھر دوسروں پر‘ اس لیے کہ (وہ اتنا بے غیرت اور بے حمیت انسان ہے کہ) میری وجہ سے کبھی اس کے چہرے کی رنگت تک نہیں بدلی۔‘‘

(۱) رواہ البیھقی فی شعب الایمان

یعنی میرے احکام کی دھجیاں بکھرتی رہیں‘ میری حدود پامال ہوتی رہیں اور یہ اللہ اللہ کرتا رہا‘ اپنے مراقبے‘ اپنے چلے اور اپنے اذکار میں لگا رہا۔ اسی کے لیے تو اقبال نے کہا تھا ؎

مست رکھو ذکر و فکر صبح گاہی میں اسے
پختہ تر کر دو مزاجِ خانقاہی میں اسے!

(۸) محبت اور حمیت کے ساتھ نصرت بھی: محبت اور حمیت کے علاوہ تیسری چیز نصرت ہے: ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰهِ﴾ (الصف:۱۴) ’’اے اہلِ ایمان! اللہ کے مددگار بنو‘‘۔ اللہ (معاذ اللہ!) ضعیف نہیں ہے کہ اسے تمہاری مدد کی ضرورت ہو‘ وہ تو القوی ہے‘ لیکن تمہارا امتحان ہے کہ اس کا دین جب پامال ہے تو اسے قائم کرنے کے لیے تن من دھن لگاتے ہو کہ نہیں؟ دین کو قائم اور غالب کر دینا ہمارے بس میں نہیں ہے‘ لیکن اس جدوجہد میں تن من دھن لگا دینا تو ہمارے بس میں ہے نا! تو بس یہی کامیابی ہے۔ دیکھئے‘ کتنے ہی نبی آئے اور چلے گئے کہ ان کے ہاتھوں سے کوئی تبدیلی نہیں آئی‘ کوئی انقلاب برپا نہیں ہوا۔ اُن کی شب و روز کی اَن تھک محنت کے باوجود صرف چند لوگوں نے مانا اور باقی سب ہلاک کر دیے گئے۔ انقلاب تو آیا ہے جا کر حضور اکرم ﷺ کے دستِ مبارک سے اور آپؐ کے دورِ مبارک میں اللہ کا نظام صحیح معنوں میں غالب ہوا ہے: ﴿وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۭ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ۝۸۱﴾ (بنی اسرائیل) ’’اور آپؐ کہہ دیجیے کہ حق آ گیا اور باطل بھاگ گیا۔ یقیناً باطل ہے ہی بھاگ جانے والا‘‘۔ یہ حضور ﷺ کی تکمیلِ رسالت کا سب سے بڑا مظہر ہے۔ اب اللہ کے دین کو غالب کرنے میں تن من دھن لگانا‘ اللہ کی نصرت کے مترادف ہے‘ جو ایمان کا لازمی تقاضا ہے۔

اللہ کے ولی سے عداوت‘ براہِ راست اللہ سے جنگ ہے!

مندرجہ بالا گفتگو سے معلوم ہو گیا کہ ولی وہ ہے جو ایمان اور تقویٰ کے تمام مراحل طے کر چکا ہو۔ اب ایسے ولی کے خلاف جو بھی بغض رکھے گا‘ عداوت رکھے گا‘ دشمنی کرے گا تو اللہ کی طرف سے اس کے خلاف اعلانِ جنگ ہے۔ حدیث کے الفاظ ہم پڑھ چکے

ہیں: ((مَنْ عَادٰی لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ آذَنْتُهٗ بِالْحَرْبِ)) ’’جو شخص میرے کسی ولی سے عداوت رکھے تو میرا اُس سے اعلانِ جنگ ہے‘‘۔ ظاہر بات ہے کہ یہ تو مروّت اور شرافت کا تقاضا ہے۔ اگر ایک شخص اللہ کی حمایت میں لگا ہوا ہے تو اس کے دشمن اللہ کے دشمن ہو گئے‘ لہٰذا اللہ کے اولیاء سے عداوت رکھنے والے براہِ راست اللہ سے جنگ مول لے رہے ہیں‘ اگرچہ اس میں یہ نہیں ہوتا کہ آنِ واحد میں سارے کے سارے دشمن ختم کر دیے جائیں۔ مکہ میں بھی یہ نہیں ہوا کہ ابوجہل نے جیسے ہی حضور ﷺ پر زیادتیاں شروع کیں تو فوراً ختم کر دیا گیا۔ نہیں‘ اللہ کی اپنی سنت ہے اور وہ اہل ایمان کو بھی پہلے اچھی طرح ٹھونک بجا کر دیکھتا ہے‘ امتحانات میں ڈالتا ہے اور ظاہر بات ہے کہ امتحان کافروں کے ہاتھوں ہی آئیں گے۔ اگر کافر اوّل دن سے ختم ہو جاتے تو امتحان کس کے ذریعے سے آتا‘ آزمائش کس کے ہاتھوں آتی؟ پھر آزمائش سے ہی پتا چلتا ہے کہ کون کتنا کھرا ہے اور کون کتنا کھوٹا ہے۔ قرآن نے خود بتایا ہے: ﴿اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَكُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ ۝۲﴾ ’’کیا لوگوں نے یہ سمجھا تھا کہ وہ چھوڑ دیے جائیں گے صرف یہ کہنے سے کہ ہم ایمان لے آئے اور انہیں آزمایا نہیں جائے گا؟‘‘ ﴿وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ ’’ہم نے تو ان کو بھی آزمایا تھا جو ان سے پہلے تھے‘‘ ﴿فَلَیَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَلَیَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِیْنَ ۝۳﴾ (العنکبوت) ’’پس اللہ ظاہر کر کے رہے گا اُن کو جو سچے ہیں اور اُن کو بھی جو جھوٹے ہیں‘‘۔ گویا اللہ دودھ کا دودھ‘ پانی کا پانی علیحدہ کر دے گا کہ یہ ہیں سچے جنہوں نے اپنا وعدہ پورا کیا‘ عہد نبھایا‘ اور یہ ہیں جھوٹے جنہوں نے اپنے وعدوں کی وفا نہیں کی۔ چنانچہ یہ بات فطری ہے کہ جو اللہ کے ولی سے دشمنی مول لے گا تو وہ اللہ کا بھی دشمن شمار ہو گا۔

تقربِ الٰہی کے ذرائع

یہ تو زیرِ مطالعہ حدیث کا پہلا حصہ تھا‘ اب اس کے دوسرے حصے کی طرف آتے ہیں جس میں ایک عظیم مسئلہ سامنے آ رہا ہے جس کا سمجھنا بہت ضروری ہے۔ اس حدیث میں تقرب الی اللہ کے دو مراحل بیان کیے گئے ہیں۔ پہلے اس حصہ پر ایک سرسری نظر

ڈالتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ((وَمَا تَقَرَّبَ اِلَیَّ عَبْدِیْ بِشَیْءٍ اَحَبَّ اِلَیَّ مِمَّا افْتَرَضْتُہٗ عَلَیْہِ)) ''میرا بندہ میرے فرض کردہ امور کے سوا کسی اور چیز کے ذریعے میرے زیادہ قریب نہیں آ سکتا''۔ تقرّب' باب تفعّل ہے' چنانچہ اس کا معنی ہوگا کہ اَن تھک محنت اور مسلسل جدّوجہد کے ساتھ کوئی چیز حاصل کرنا۔ ترجمہ یہ ہوگا کہ میرا بندہ جن چیزوں کے ذریعے میرا قرب حاصل کرتا ہے' اُن میں مجھے محبوب ترین وہ ہیں جو میں نے اس پر فرض کی ہیں۔ دوسرا مرحلہ یہ ہے کہ: ((وَمَا یَزَالُ عَبْدِیْ یَتَقَرَّبُ اِلَیَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰی اُحِبَّہٗ)) ''اور بسا اوقات میرا بندہ نوافل کے ذریعے سے میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں'' ((فَاِذَا اَحْبَبْتُہٗ کُنْتُ سَمْعَہُ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِہٖ)) ''پس جب میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں تو میں اس کے کان بن جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے''۔ اب یہ بہت نازک اور حساس موضوعات ہیں' لہٰذا انتہائی احتیاط کی ضرورت ہے ع ''ہشدار کہ رہ بر دمِ تیغ است قدم را!'' یعنی اس راستے پر خبردار ہو کر چلنا کہ اب تمہارا پاؤں تلوار کی دھار پر آ گیا ہے! آگے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ((وَبَصَرَہُ الَّذِیْ یُبْصِرُ بِہٖ)) ''اور اُس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے'' ((وَیَدَہُ الَّتِیْ یَبْطِشُ بِھَا)) ''اور اُس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے'' ((وَرِجْلَہُ الَّتِیْ یَمْشِیْ بِھَا)) ''اور اُس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔'' اللہ اکبر! ان سب کا کیا مطلب ہے اور ان سب کو کون سمجھے گا کہ اللہ بندے کے کان' آنکھ' ہاتھ' حتیٰ کہ پاؤں بن جاتا ہے؟ بس یہ سمجھ لیجیے کہ اس کے مطالب ومفاہیم سے جو اہم نتیجہ نکلتا ہے وہ یہ ہے کہ یہ حدیثِ کرامت اولیاء کے لیے سند ہے۔

اللہ ہماری رگِ جاں سے زیادہ قریب ہے!

اس ضمن میں پہلی بات سمجھنے کی یہ ہے کہ اللہ سے تقرب کے معنی کیا ہیں؟ کیا اللہ کہیں دور ہے؟ نہیں' وہ تو رگِ جاں سے بھی زیادہ قریب ہے۔ سورۂ ق کی یہ آیت ابتدا میں' میں نے آپ کو سنائی تھی:

﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِہٖ نَفْسُہٗ ۚ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ

حَبْلِ الْوَرِیْدِ ﴿۱۶﴾﴾

''ہم نے ہی انسان کو پیدا کیا اور ہمیں معلوم ہے کہ اس کا نفس اندر سے کیا وسوسہ اندازی کرتا رہتا ہے۔ اور ہم اس کے قریب تر ہیں اس کی رگِ جاں سے بھی۔''

یعنی اس کا نفسِ امارہ ہم ہی نے بنایا ہے' اور ساری مادی خواہشات اور سارے جبلی تقاضے (animal instincts) ہم ہی نے نفس کے اندر رکھے ہیں' کیا ہمیں ہی نہیں معلوم ہے؟ کیا گھڑی ساز کو نہیں پتا کہ گھڑی میں کون کون سے پرزے ہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تو ہم سے بہت قریب ہے' ہماری رگِ جاں سے بھی زیادہ قریب ہے' لیکن غور طلب بات یہ کہ ہم اللہ سے دور ہیں۔ بہت پیارے اشعار ہیں:

کرا جوئی' چرا در پیچ و تابی؟
کہ او پیداست تو زیر نقابی
تلاشِ او کنی' جز خود نہ بینی
تلاشِ خود کنی' جز او نہ یابی!

''کیا ڈھونڈتے ہو؟ کیوں (ہر وقت) پیچ و تاب میں رہتے ہو۔ کہ (جس کی تلاش ہے) وہ تو (ذرّے ذرّے سے) عیاں ہے اور تو خود ہی پردے میں (محجوب) ہے۔ (اگر) اس کو تلاش کرے گا تو اپنے سوا کچھ نہ دیکھے گا' (اور اگر) اپنی تلاش کرے گا تو اس کے سوا کوئی اور نہ ملے گا۔''

یعنی گھنے جنگلوں' غاروں اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر کسے ڈھونڈ رہے ہو؟ یہ پیچ و تاب تمہارے اندر کیا ہے اور تم ذات وصفاتِ باری تعالیٰ کے بارے میں فلسفہ اور عقل کے گھوڑے کیوں دوڑا رہے ہو؟ وہ تو سامنے ہے' مگر تمہاری آنکھوں پر پردہ پڑا ہوا ہے' زیرنقاب تو تم ہو۔ یہی وجہ ہے کہ شیخ علی بن عثمان جلابی ہجویری ثم لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب جو تصوف کی اولین اور امہات الکتب میں سے ہے' اس کا نام ہی: ''کشف المحجوب'' ہے یعنی حجابات اور پردوں کا ہٹ جانا۔ چنانچہ حقیقت یہ ہے کہ حجاب میں تو ہم آئے ہوئے ہیں' جبکہ وہ تو ہر جگہ ہے۔ قرآن نے فرمایا: ﴿وَھُوَ مَعَکُمْ اَیْنَ مَا کُنْتُمْ ؕ﴾ (الحدید: ۴) ''تم جہاں بھی ہوتے ہو' وہ تمہارے ساتھ ہوتا ہے۔''

ان الفاظ کی ایک تاویل یہ کی گئی کہ وہ صفاتی طور پر ہر جگہ موجود ہے اور ہماری ہر بات کو سن رہا ہے اور ہمارے ہر عمل کو دیکھ رہا ہے۔ لیکن یہ تاویل ان الفاظ کا حق ادا نہیں کر رہی۔ وہ ہمارے ساتھ کیسے ہے؟ یہ ہم نہیں جانتے' لیکن وہ ہمارے ساتھ ہر جگہ' ہر آن موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفات کی کیفیت کو ہم نہیں جانتے' یہ ہماری مجبوری ہے۔ اللہ دیکھتا ہے' لیکن کیسے دیکھتا ہے یہ ہم نہیں جانتے۔ اُس کا دیکھنا اس خارجی نور کا محتاج نہیں جس کے ہم محتاج ہیں۔ اسی طرح ہم جانتے ہیں کہ وہ سنتا ہے' لیکن کیسے سنتا ہے یہ ہم نہیں جانتے۔ وہ ہمارے ساتھ ہے' اس میں کوئی شک نہیں' لیکن کیسے ہے' یہ ہم نہیں جانتے۔

تقرّب کا صحیح مفہوم

تقرّب کا اصل مفہوم ہے اللہ کی طرف باطنی طور پر بڑھنا —— اور بڑھنے کے لیے بھی کہیں دور جانے کی ضرورت نہیں ہے' وہ آپ کے اندر ہی ہے۔ میں نے آپ کو عبدالقادر دہلویؒ کا شعر سنایا تھا:

ستم است گر ہوست کشد کہ بہ سیرِ سرو و سمن در آ
تو ز غنچہ کم نہ دمیدۂ درِ دل کشا بہ چمن در آ!

یعنی بڑے ستم کی بات ہے کہ تمہاری خواہش نفس تمہیں کہے کہ چلو بھئی ذرا باغ میں جا کر دیکھو کہ کتنے اچھے اچھے پھول ہیں' کتنا اچھا سبزہ ہے۔ ارے تم خود کسی غنچہ سے کم دمکتے ہوئے نہیں ہو' تم تو اللہ کی تخلیق کا ذروۂ سنام ہو۔ ذرا کبھی اپنے دل کے دروازے کھولو اور اپنے اندر کے باغ میں داخل ہو کر اس کی سیر کرو' ع ''اپنے مَن میں جا کر پا جا سراغ زندگی!'' اللہ کہیں دُور نہیں ہے' وہ تو تمہارے اندر ہی ہے' لیکن تم ہی اس کی طرف متوجہ نہیں ہو۔ تمہاری ساری توجہ دنیا کی طرف ہے' تمہاری ساری بھاگ دوڑ' تمہاری ساری سوچ بچار دنیا کے لیے ہے اور تم اس کی طرف متوجہ ہی نہیں ہوتے:

ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں
راہ دکھلائیں کسے؟ رہ روِ منزل ہی نہیں!

حدیث میں آتا ہے کہ رات کے آخری حصے میں اللہ تعالیٰ سمائے دنیا تک اتر آتا ہے۔ کیسے اُتر آتا ہے؟ یہ ہم نہیں جانتے۔ قیامت کے دن اللہ اس زمین پر نزول فرمائے گا: ﴿وَجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ﴿٢٢﴾﴾ (الفجر) ''اور آپ کا رب جلوہ فرما ہوگا جب کہ فرشتے قطار در قطار حاضر ہوں گے''۔ میدانِ قیامت اسی زمین پر ہوگا' گویا قصۂ زمین' برسرِ زمین طے ہوگا۔ سورۃ الحاقہ میں نزولِ رب کی منظر کشی بایں الفاظ کی گئی ہے: ﴿وَالْمَلَكُ عَلٰٓى اَرْجَآئِهَا ۚ وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ ﴿١٧﴾﴾ ''اور فرشتے ہوں گے اس کے کناروں پر' اور اس دن آپ کے ربّ کے عرش کو اٹھائے ہوئے ہوں گے آٹھ فرشتے''۔ اللہ تعالیٰ فرشتوں کے جلو میں نزول فرمائے گا' پھر عدالت خداوندی لگے گی' حساب کتاب ہوگا۔ یہ سب ہوگا' لیکن کیسے ہوگا یہ ہم نہیں جانتے۔

اس اعتبار سے صحیح طرزِ عمل یہ ہے کہ ہم اپنے باطن میں جھانکیں' جہاں دل ہے اور دل کی گہرائیوں میں روح ہے جس کا تعلق براہِ راست اللہ کی ذات کے ساتھ ہے۔ ہمارا مسئلہ یہ ہے کہ اُس روح کی طرف ہماری کوئی توجہ نہیں ہے' ہماری ساری توجہ جسد مادی' اس کے تقاضوں اور اس کی ضروریات کی طرف ہے اور ہم اسی میں مصروف ہیں' جبکہ روح کی طرف متوجہ ہو کر انسان اُس ذات کا تقرب حاصل کر سکتا ہے' جس کے بارے میں قرآن میں فرمایا گیا: ﴿هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ﴾ (الحدید:۳) ''وہی اوّل ہے' وہی آخر ہے' وہی ظاہر ہے' وہی باطن ہے''۔ ظاہر ہستی تو اسی کی ہے اور ہاں سب سے مخفی بھی وہی ہے' اس لیے کہ اُس کی ذات کی کُنہ تک کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ وہ کیسے دیکھتا ہے' تم نہیں جان سکتے۔ اس کا ہاتھ ہے' لیکن تم اسے اپنے ہاتھ پر قیاس نہ کر بیٹھنا۔ اسی طرح میدانِ محشر میں اللہ تعالیٰ کی تجلّی کے بارے میں کہا گیا ہے: ﴿يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ﴾ (القلم:۴۲) ''جس دن پنڈلی کھولی جائے گی''۔ لیکن اس کا مفہوم ہمارے تصور سے ماوراء ہے۔ اگر ہم اس کی کھوج کرید میں پڑ جائیں اور اس بارے میں بحث کریں تو ہم گمراہی میں مبتلا ہو جائیں گے۔

اب تک کی میری گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ یہاں قرب سے مراد قربِ مکانی نہیں'

قربِ معنوی ہے۔ سورۃ العلق کی آخری آیت میں نے شروع میں پڑھی تھی: ﴿كَلَّا لَا تُطِعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ﴿١٩﴾﴾ ''کوئی بات نہیں! (اے نبی ﷺ) آپ اس کی بات نہ مانیے' آپ سجدہ کیجیے اور (اللہ سے اور) قریب ہو جایئے!'' اس میں رسول اللہ ﷺ سے کہا جا رہا ہے کہ آپؐ ابوجہل وغیرہ کی باتیں نہ مانیے' آپ توجہ ہی نہ دیجیے ان کی باتوں پر اور دفع کیجیے ان کو' آپ بس سجدہ کیجیے اور قریب ہو جایئے۔ اسی طرح حدیث میں آتا ہے: ((اَقْرَبُ مَا يَكُوْنُ الْعَبْدُ مِنْ رَبِّهٖ وَهُوَ سَاجِدٌ)) (۱) ''سجدے کی حالت میں بندہ اللہ سے قریب ترین ہوتا ہے!'' اب ایک سجدہ ظاہری ہے کہ جسم تو جھک گیا ہے لیکن نفسِ امارہ جوں کا توں شیطانِ لعین کی طرح کھڑا ہے کہ میں سجدہ نہیں کروں گا۔ اس طرح یہ سجدہ تو تمہارے اعضاء و جوارح کا سجدہ ہے' دل کا سجدہ نہیں ہے۔ لیکن جب پوری ہستی کے ساتھ اللہ کے سامنے سجدہ کرو گے تو یہ اللہ کے ساتھ قریب ترین معاملہ ہوگا۔

مشرکین کا غیر اللہ کو پکارنے کا مقصد: قربِ الٰہی

قربِ الٰہی کے ضمن میں سورۂ بنی اسرائیل کی یہ آیت بڑی اہم ہے:

﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ ۭ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا ﴿٥٧﴾﴾

''وہ لوگ جنہیں یہ پکارتے ہیں وہ تو خود اپنے رب کے قرب کے متلاشی ہیں کہ ان میں سے کون (اُس کے) زیادہ قریب ہے اور وہ امیدوار ہیں اُس کی رحمت کے اور ڈرتے رہتے ہیں اُس کے عذاب سے۔ واقعتاً آپؐ کے رب کا عذاب چیز ہی ڈرنے کی ہے۔''

یعنی جنہیں یہ پکار رہے ہیں' ان سے دعائیں کر رہے ہیں' وہ تو خود قربِ الٰہی کی منزلیں طے کر رہے ہیں اور اللہ کی رحمت کے امیدوار بھی ہیں اور اللہ کے عذاب سے ڈرتے بھی رہتے ہیں۔ چاہے وہ انبیاء و رسل ہوں' یا اولیاء اللہ یا فرشتے' وہ تو عالمِ امر میں خود اللہ کی رضاجوئی کے لیے کوشاں اور اس کے قرب کے متلاشی ہیں۔

اس حوالے سے آخری آیت میں سورۃ الزمر کی بیان کر رہا ہوں۔ یہاں مشرکین کا

(۱) صحیح مسلم' کتاب الصلاۃ' باب ما یقال فی الرکوع والسجود۔

قول نقل ہوا ہے کہ وہ غیر اللہ کو پوج رہے ہیں تو اس سے مقصود اللہ ہی کا قرب حاصل کرنا ہے: ﴿مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ۭ﴾ (آیت ۳) ''ہم ان کو نہیں پوجتے مگر صرف اس لیے کہ یہ ہمیں اللہ سے قریب سے قریب تر کرتے ہیں''۔ یعنی ان کے نزدیک جن کو وہ پکار رہے تھے' دعائیں کر رہے تھے وہ ان کے لیے قربِ الٰہی کا ذریعہ ہیں۔

یہاں ایک بات نوٹ کر لیجیے کہ مشرکین جن چیزوں کی پرستش کرتے ہیں وہ دو طرح کی ہیں: ایک تو مظاہرِ فطرت ہیں جو بے جان ہیں' مثلاً سورج' چاند' ستارے' آگ' پانی وغیرہ۔ دوسرے یہ کہ وہ پوجتے ہیں فرشتوں کو' انبیاء کو اور اولیاء اللہ کی ارواح کو۔ اب مشرکین کا یہ کہنا کہ ہم ان کو اس لیے پوجتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ سے قریب تر کر دیں تو یہ بات چاند' سورج اور ستاروں کے بارے میں تو نہیں ہو سکتی' اصل میں یہ اس دوسری قبیل سے متعلق ہے' یعنی وہ جن جاندار چیزوں کو پوجتے تھے تو اس سے ان کا مقصد قربِ الٰہی ہوتا تھا۔

مشرکینِ عرب کا عقیدہ یہ تھا کہ فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں اور جن سے اللہ کی بیٹیاں راضی ہو جائیں تو اللہ بھی اُن سے راضی ہو جائے گا۔ بیٹیاں لاڈلی ہوتی ہیں اور ان کی فرمائش کو رد کرنا بڑا مشکل ہو جاتا ہے۔ آپ بیٹوں کو تو آسانی سے جھڑک سکتے ہیں' مگر بیٹیوں کو نہیں جھڑک سکتے اگر آپ کے اندر شرافت ہے۔ مجھے جب یاد آتا ہے تو میں اپنے آنسو نہیں روک سکتا کہ کس جگر کے ساتھ اور کس مضبوط دل کے ساتھ حضور ﷺ نے حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی یہ درخواست رد کی ہوگی کہ حضورؐ! اب تو سب لوگوں کے گھروں میں آسائش ہو گئی ہے' معاشی حالات اچھے ہو گئے ہیں' تو مجھے بھی کوئی لونڈی یا خادمہ عطا کر دیں۔ دیکھئے چکّی پھیر پھیر کے میرے ہاتھوں میں گٹے پڑ گئے ہیں اور کندھوں پر پانی کے مشکیزے لاد کر لانے کی وجہ سے نشان پڑ گئے ہیں۔ حضور اکرم ﷺ (فداہ آبائنا وأمّهاتنا) نے جواب دیا کہ بیٹی! یہ چیزیں تمہارے لیے نہیں ہیں۔ میں تمہیں اس سے بہتر شے بتاتا ہوں' وہ یہ کہ ہر نماز کے بعد ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ' ۳۳ مرتبہ الحمد للہ' ۳۳ (یا ۳۴) مرتبہ اللہ اکبر پڑھا کرو (اس کو تسبیح فاطمہؓ بھی کہا جاتا ہے)۔

بہر حال میں عرض کر رہا تھا کہ فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں قرار دے کر بت بنا لیے گئے۔ مشرکین کے تین بڑے بُت لات‘ منات اور عُزّیٰ مؤنث تھے۔ لات مؤنث ہے الٰہ کا‘ عزیٰ مؤنث ہے عزیز کا‘ منات بھی مؤنث ہے‘ تو انہوں نے یہ دیویاں بنائی ہوئی تھیں۔ دراصل مشرکینِ عرب کا یہ تصور ایمان بالملائکہ کی بگڑی ہوئی صورت تھی۔

فرشتے عالمِ ارواح میں موجود ہیں اور ان میں بھی اللہ سے قریب سے قریب تر ہونے کی جدوجہد جاری ہے۔ فرشتوں کے بھی درجات ہیں۔ پہلے نمبر پر ملائکہ مقربین ہیں جو اللہ ربّ العزت سے بہت ہی قریب ہیں۔ کچھ فرشتے وہ بھی ہیں جو اللہ کے عرشِ اعظم کو اُٹھائے ہوئے ہیں۔ چنانچہ فرشتوں میں بھی قرب کی ایک خواہش پائی جاتی ہے۔

دوسرے یہ کہ اولیاء اللہ اور انبیاء کرام علیہم السلام کے نام پر مجسمے بنا لیے گئے۔ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے بتوں کا ذکر سورۂ نوح میں آتا ہے۔ قوم کے سرداروں نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ کہیں نوح کی باتوں میں آ کر اپنے ان معبودوں کو نہ چھوڑ دینا: ﴿وَقَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا ۙ وَّلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا ﴿۲۳﴾﴾ ’’وہ کہنے لگے: دیکھو نہ چھوڑ دینا اپنے معبودوں کو‘ ہرگز مت چھوڑنا وَدّ کو‘ سواع کو‘ یغوث کو‘ یعوق کو اور نسر کو‘‘۔ ان بتوں کے بارے میں تقریباً تمام مفسرین کا اجماع ہے کہ یہ اس قوم کے گزرے ہوئے اولیاء اللہ تھے اور قوم نے ان کے بت تراش لیے تھے۔ آج ہمارا حال یہ ہے کہ ہم بھی اولیاء اللہ کی قبروں کو پوجتے ہیں‘ تو ان میں اور ہم میں قطعاً کوئی فرق نہیں ہے۔

ایک بڑا تلخ واقعہ بتایا تھا غازی احمد صاحبؒ نے‘ جنہوں نے کتاب لکھی تھی ’’مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ‘‘۔ یہ ہندو خاندان میں پیدا ہوئے اور بچپن ہی میں مسلمان ہو گئے تھے اور بڑے مؤحد تھے۔ ۱۹۴۷ء میں ان کا سارا کنبہ انبالہ میں جا کر آباد ہو گیا۔ پھر کئی سال کے بعد اُن کے بھائی اُن سے ملنے کے لیے آئے تو انہوں نے یہ بات کہی کہ بھائی جان! آپ نے خواہ مخواہ اپنا مذہب بدلا۔ ہم نے تو انبالہ میں جا کر دیکھ لیا ہے کہ مسلمان قبروں کو پوجتے ہیں‘ تو ہم میں اور ان میں فرق کیا ہے؟ ہمیں تو کوئی فرق نظر نہیں آیا‘ بس

یہی فرق ہے نا کہ ہم بتوں کو پوجتے ہیں اور یہ قبروں کو پوج لیتے ہیں!

بہر حال جو لوگ بھی فرشتوں‘ انبیاء کی ارواح یا اولیاء اللہ کی ارواح کو پکارتے تھے یا پکارتے ہیں اس سے ان کا مقصد قربِ الٰہی ہے۔ لیکن یہ پکارنا شرک کے زمرے میں آتا ہے۔ ظاہر بات ہے کہ ارواح تو حقیقت ہیں اور روحِ محمدی ﷺ بھی اپنی شان و شوکت کے ساتھ عالمِ ارواح میں موجود ہے۔ اسی طرح یقیناً اولیاء اللہ کی ارواح بھی موجود ہیں اور میں آپ کو شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا قول سنا چکا ہوں کہ اولیاء اللہ کے انتقال کے بعد ان کی ارواح کو بھی اللہ تعالیٰ ملائکہ اسفل میں شامل کر دیتے ہیں۔ یہ ملائکہ کا سب سے نچلا درجہ ہے جو اس دنیا کے انتظام پر مامور ہے۔ یہ سیکرٹ سول سروس ہے جو نظر نہیں آتی‘ مگر اللہ کے احکام کی تنفیذ کرتی ہے۔ تو اولیاء اللہ کی ارواح بھی انہی میں شامل ہو جاتی ہیں‘ لیکن آپ کسی کو پکار نہیں سکتے۔ فرشتے آپ کے ساتھ موجود ہیں‘ لیکن آپ انہیں یہ نہیں کہہ سکتے کہ میرا یہ کام کرا دو! اسی طرح کسی روح کو بھی نہیں کہہ سکتے کہ میرا فلاں کام کرا دو۔

قربِ الٰہی کی حد

اب ہم ایک بہت نازک اور حساس موضوع کی طرف آ رہے ہیں کہ اس قرب کا اللہ کے ساتھ کس حد تک معاملہ ہو سکتا ہے۔ یہ حدیث صحیح بخاری کی نہ ہوتی تو ہمارے ہاں خاص طور پر وہ لوگ جن کے اندر توحید کا زیادہ ذوق اور جذبہ ہے اور ان کے اندر شرک سے زیادہ نفرت ہے‘ وہ کبھی بھی اس حدیث کو نہ مانتے۔ اس لیے کہ اس میں وہ کیفیت بیان ہو رہی ہے جو علامہ اقبال نے ایک شعر میں کہی ہے: ؎

مٹا دیا مرے ساقی نے عالمِ من و تو
پلا کے مجھ کو مئے لا الٰہ الا ھو

یعنی میرے ساقی نے مجھے لا الٰہ الا ھو کی جو شراب پلائی ہے تو اس سے میں اور تو کا فرق ختم ہو گیا ہے۔ یہ بہت خطرناک مقام ہے ع ’’ہشدار کہ رہ بر دمِ تیغ است قدم را!‘‘ ہوشیار ہو جاؤ‘ کہ اب تمہارے قدم تلوار کی دھار پر ہیں‘ لہٰذا پھونک پھونک کے قدم

رکھو۔اس معاملہ میں بے احتیاطی بدترین شرک کی طرف بھی لے جاسکتی ہے۔

جیسا کہ ہم پڑھ چکے ہیں‘ زیر مطالعہ حدیث میں قربِ الٰہی کے حصول کے دو راستے بیان کیے گئے ہیں اور اس حوالے سے یہ حدیث حکمت کا بہت بڑا خزانہ ہے۔ پہلا راستہ ہے :((مَا تَقَرَّبَ اِلَیَّ عَبْدِیْ بِشَیْءٍ اَحَبَّ اِلَیَّ مِمَّا افْتَرَضْتُہٗ عَلَیْہِ)) ’’میرا بندہ میرے فرض کردہ امور کے سوا کسی اور چیز کے ذریعے میرے زیادہ قریب نہیں آ سکتا‘‘۔ اس کو ہم ’’تقرب بالفرائض‘‘ کا نام دیں گے۔یعنی جو اعمال ہم پر فرض کیے گئے ہیں ان کے ذریعے سے ہم اللہ کا قرب تلاش کریں تو یہ اللہ کو محبوب ترین ہے۔ دوسری بات بلند ترین ہے اور وہ یہ ہے کہ: ((وَمَا یَزَالُ عَبْدِیْ یَتَقَرَّبُ اِلَیَّ بِالنَّوَافِلِ)) ’’اور نہیں مصروف رہتا میرا بندہ میرا قرب حاصل کرنے میں نوافل کے ذریعے سے‘‘ ((حَتّٰی اُحِبَّہٗ)) ’’یہاں تک کہ (ایک مقام آتا ہے کہ) میں اسے محبوب بنا لیتا ہوں‘‘۔آگے حساس ترین بلکہ خطرناک ترین بات آ رہی ہے :((فَاِذَا اَحْبَبْتُہٗ کُنْتُ سَمْعَہُ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِہٖ)) ’’جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو میں اپنے بندے کے کان بن جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے‘‘ ((وَبَصَرَہُ الَّذِیْ یُبْصِرُ بِہٖ)) ’’اور اس کی آنکھیں بن جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے‘‘ ((وَیَدَہُ الَّتِیْ یَبْطِشُ بِھَا)) ’’اور اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے‘‘ اور آگے چلیے :((وَرِجْلَہُ الَّتِیْ یَمْشِیْ بِھَا)) ’’اس کے پاؤں بن جاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے‘‘۔((وَاِنْ سَاَلَنِیْ لَاُعْطِیَنَّہٗ)) ’’اگر وہ مجھ سے کوئی سوال کرے تو میں اسے لازماً دوں گا‘‘ ((وَلَئِنِ اسْتَعَاذَنِیْ لَاُعِیْذَنَّہٗ)) ’’اور اگر مجھ سے پناہ طلب کرے گا تو میں لازماً اسے پناہ دوں گا‘‘۔ یہاں تو اس انتہا درجے کا قرب ہے کہ گویا مَن وتو کا معاملہ ختم ہو گیا!

ظاہر بات ہے کہ یہ موضوع مسلمان صوفیاء کا ہے‘ یہ فقہاء کا میدان نہیں ہے۔ یہ مضامین تصوف کے عنوان سے بیان ہوتے ہیں۔ اگرچہ میں نے اپنی تقریر میں تصوف کی نفی اس اعتبار سے کی ہے کہ تصوف کا ذکر نہ قرآن میں ہے اور نہ حدیث میں۔ یہ بالکل نئی اصطلاح ہے اور اس نئے عنوان کے ساتھ بہت سی نئی چیزیں بھی اسلام میں آ کر

شامل ہو گئی ہیں‘ لیکن ایک حقیقی تصوف بھی ہے (جس کے لیے حدیث میں لفظ ’’احسان‘‘ آیا ہے) اور وہ ہے اللہ کا قرب‘ مزید قرب‘ مزید قرب۔ جیسے ہم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی حدیث تفصیل سے پڑھی تھی۔ سفر تبوک میں جاتے ہوئے صبح کے وقت جب وہ جاگ رہے تھے اور اپنی اونٹنی رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی کے پیچھے پیچھے لگائے چلے آ رہے تھے‘ جبکہ باقی سب لوگ اونگھ رہے تھے اور ان کی اونٹنیاں اِدھر اُدھر منتشر ہو گئی تھیں۔ چرتی بھی جا رہی تھیں اور چلتی بھی جا رہی تھیں۔ اسی دوران حضرت معاذؓ کی اونٹنی نے ٹھوکر کھائی‘ معاذؓ نے اس کو لگام کھینچ کر سنبھالا تو وہ اور تیز ہو گئی اور اس کی وجہ سے آپ ﷺ کی اونٹنی بھی بدک گئی۔ اس پر حضور ﷺ نے اپنا پردہ اٹھایا اور دیکھا کہ آس پاس معاذؓ کے سوا کوئی بھی نہیں ہے۔ معاذ چونکہ قریب تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ((اُدْنُ دُوْنَکَ)) ’’اور قریب آ جاؤ‘ اور قریب آ جاؤ‘‘۔ تو وہ اتنے قریب ہو گئے کہ دونوں کی اونٹنیاں آپس میں رگڑ کھانے لگیں۔ اسی طرح حقیقی تصوف یہ ہے کہ اللہ سے اور قریب‘ اور قریب ہو جاؤ۔ یہ تقرب اولیاء اللہ کو نصیب ہوتا ہے جن کے بارے میں زیر مطالعہ حدیث کے شروع میں فرمایا گیا: ((مَنْ عَادٰی لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ آذَنْتُہٗ بِالْحَرْبِ)) ’’جس نے میرے کسی ولی سے دشمنی رکھی تو اس کے خلاف میرا اعلانِ جنگ ہے۔‘‘

تقرب بالفرائض کا جامع تصور

اوّلاً یہاں نوٹ کیجیے کہ قربِ الٰہی کے دو ذرائع ہیں: تقرب بالفرائض اور تقرب بالنوافل۔ ظاہر ہے تقرب بالنوافل کا مرحلہ فرائض کی ادائیگی کے بعد آئے گا۔ ہم جانتے ہیں کہ فرض نماز افضل ہے نفل نماز سے۔ کوئی شخص فرض نہ پڑھتا ہو اور سارا دن نفل پڑھتا رہے تو اسے کچھ بھی حاصل نہیں ہوگا۔ ساری رات نوافل میں کھڑے رہے‘ فجر میں سو گئے تو زیرو۔ نوافل کا معاملہ فرائض کی ادائیگی کے بعد آتا ہے اور فرائض کا تصور میں نے کئی بار بیان کیا ہے کہ جہاں نماز‘ روزہ‘ حج اور زکوٰۃ فرض ہے وہاں دین کی دعوت اور اقامت دین کی جدّوجُہد بھی فرض ہے۔ اس فرض کی ادائیگی کی طرف آپ کی طرف توجہ نہیں ہے اور نوافل پر آپ نے اپنا پورا زور لگایا ہوا ہے تو یہ طرزِ عمل درست نہیں۔

نمازیں نفلی‘ روزے نفلی‘ حج نفلی‘ عمرے پر عمرے‘ ہر سال عمرہ‘ رمضان کا عمرہ‘ کیا ہے یہ؟ آپ نے فرض ترک کیا ہوا ہے تو فرض کو چھوڑ کر نوافل‘ چہ معنی دارد؟

اس حوالے سے اصول یہ ہے کہ پہلے یہ فرض ادا ہو جائے‘ اللہ کا دین قائم ہو جائے تب آپ دوسرے درجے یعنی تقرب بالنوافل کی طرف آ سکتے ہیں۔ اس لیے کہ جب نظامِ خلافت قائم ہو گیا تو اب دین کی مزید دعوت اور دین کو بقیہ دنیا میں غالب کرنے کی جدوجہد اس نظام کے ذمہ ہے۔ اب انفرادی طور پر لوگ بری ہو جائیں گے۔ البتہ کسی موقع پر اس نظامِ خلافت کی طرف سے مطالبہ آ جائے کہ فلاں محاذ کے لیے دس ہزار آدمی فوراً چاہئیں تو دس ہزار اگر نکل آئے تو باقی آرام سے گھروں میں سوئیں‘ رات بھر قیام کریں‘ علمی کام میں لگے رہیں‘ روحانی جدوجہد میں لگے رہیں تو سب جائز ہے۔ لیکن یہ سب نفلی کام اُس وقت ہیں جب دین قائم ہو چکا ہو۔ یہ ہے کانٹے کی بات۔ یہ تقرب بالفرائض اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب ہے۔

تقرب بالفرائض اور تقرب بالنوافل میں نسبت وتناسب

دوسری بات سمجھنے کی یہ ہے کہ قربِ الٰہی کے ان ذرائع میں سے بلند تر مقام کون سا ہے؟ میں نے کئی مرتبہ جہاد کی مثال دی ہے کہ جہاد شروع ہوتا ہے اپنے نفس کے خلاف جہاد سے‘ چنانچہ نفس کے خلاف جہاد اہم ترین ہے‘ اسی لیے اسے افضل کہا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا: اَیُّ الْجِھَادِ اَفْضَلُ؟ ’’کون سا جہاد افضل ہے؟‘‘ تو آپؐ نے فرمایا: ((اَنْ تُجَاھِدَ نَفْسَكَ فِیْ طَاعَةِ اللّٰہِ)) کہ تم اپنے نفس کے خلاف جہاد کرو اور اسے اللہ کا مطیع بناؤ۔ میں نے اپنے کتابچہ ’’جہاد فی سبیل اللہ‘‘ میں جہاد کی نو (۹) منزلیں بیان کی ہیں اور نویں منزل قتال فی سبیل اللہ ہے۔ چنانچہ جہاد کا اعلیٰ ترین اور بلند ترین مقام قتال فی سبیل اللہ ہے‘ لیکن جہاد کا اہم ترین مقام نفس کے خلاف جہاد ہے۔ یاد رکھیے کہ پہلی منزل کی اہمیت زیادہ ہوتی ہے‘ اس لیے کہ پہلی منزل ہو گی تو دوسری بنے گی‘ دوسری ہو گی تو تیسری بنے گی‘ اسی طرح تیسری‘ چوتھی‘ پانچویں‘ چھٹی‘ ساتویں‘ آٹھویں‘ لیکن بلند ترین مقام یہ ہے کہ انسان اللہ کے دین اور اس کے کلمے کی سربلندی

کے لیے‘ روئے ارضی پر اس کی حکومت کو قائم کرنے کے لیے نقد جان ہتھیلی پر رکھ کر میدان میں آ جائے۔ یہ اعلیٰ ترین اور اہم ترین مقام ہے۔ اسی طرح یہاں پر ترتیب ہے کہ تقرب بالفرائض محبوب ترین ہے‘ لیکن تقرب بالنوافل کا مقام اتنا بلند ہے کہ اس سے اونچا مقام تو کوئی ہو نہیں سکتا‘ لیکن یہ تقرب بالنوافل فرائض کے بعد ہے۔ فرائض کو نظرانداز کر کے‘ فرائض کو ترک کر کے نوافل کا کوئی مقام نہیں۔ چلہ کشیاں ہو رہی ہیں‘ نفس کے خلاف جہاد ہو رہا ہے‘ جبکہ باطل کا غلبہ ہے اور اس کے خلاف کوئی کام آپ کر نہیں رہے‘ اللہ کا دین پامال ہے اور اس کے خلاف کوئی جدوجہد نہیں‘ کوئی حمیت نہیں‘ کوئی غیرت ہی نہیں ہے تو ایسے نوافل کا کوئی مقام نہیں ہے۔

اقامتِ دین کی جدوجہد فرض ہے!

نوٹ کرنے کی تیسری بات یہ ہے کہ اقامتِ دین کی جدوجہد فرض ہے۔ اصل بات یہ ہے جو ہمارے ذہنوں سے نکل گئی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ خلافت راشدہ کے بعد رفتہ رفتہ اسلام کا تصور بحیثیت دین کمزور ہوتا چلا گیا‘ یہاں تک کہ عالمِ اسلام پر اغیار قابض ہو گئے‘ کہیں انگریز آ گئے‘ کہیں فرانسیسی آ گئے۔ مسلمانوں کی حکومت تھی تو کم سے کم قاضی اور مفتی تو ہوتے تھے اور فیصلے تو اسلامی قانون کے مطابق ہوتے تھے‘ لیکن انگریز کے آنے سے یہ سب ختم ہو گیا اور اسلامی قانون بھی ختم ہو گیا۔ اب تو پینل کوڈ ان کا ہے‘ سول کوڈ ان کا ہے‘ کریمنل پروسیجر کوڈ سب ان کا ہے۔ سب دیوانی اور فوجداری قوانین ان کے ہیں۔ اسی طرح ہوتے ہوتے ہمارا ذہن یہاں پر آ کر منجمد ہو گیا کہ بس یہ چیزیں اصل دین ہیں: نماز‘ روزہ‘ حج اور زکوٰۃ کی ادائیگی‘ سور نہیں کھانا‘ شراب نہیں پینی‘ زنا نہیں کرنا۔ باقی اقامت دین کی جدوجہد کا تصور تو علماء میں بھی نہیں ہے۔ اس کی فرضیت کا اعلان تو بہت دور کی بات ہے‘ وہ تو اس کا تذکرہ تک نہیں کرتے۔ مفتی اور خطیب تو سینکڑوں ہزاروں نکل رہے ہیں لیکن معاشرے پر اس کا کوئی اثر نہیں ہے۔ ہاں ٹھیک ہے نئی نئی مسجدیں بنتی ہیں تو نئے نئے خطیب بھی چاہئیں۔ بس آبادی بڑھ رہی ہے‘ مسجدیں بن رہی ہیں‘ لیکن دین کی اقامت کہاں ہے؟

بہرحال اب کچھ تبدیلی آ رہی ہے‘ دینی مدارس کے اندر یہ لہر اب اٹھ رہی ہے‘ مگر بدقسمتی سے اقامت دین کا منہج اور طریقہ کار جو حضور ﷺ کا تھا‘ وہ اب بھی سامنے نہیں ہے۔ کوئی الیکشن کی طرف چلا گیا‘ کوئی صرف وعظ و نصیحت ہی کرتا چلا گیا‘ کسی نے ہتھیار اٹھا لیے یا حکومت پر دباؤ ڈالنے کے لیے کچھ اور حربے استعمال کیے۔ یاد رکھیے کہ اللہ کا دین غالب ہو کر رہے گا‘ لیکن ہوگا صرف طریقہ محمدی ﷺ سے۔

زیر مطالعہ حدیث کے بارے میں ابن عربی کی رائے

زیر مطالعہ حدیث کے حوالے سے میں نے ابتدا میں کہا تھا کہ ان مضامین پر صوفیاء غور و فکر کرتے ہیں اور ایسی احادیث صوفیاء ہی کا میدان ہیں۔ صوفیاء میں سے ایک بہت بڑی شخصیت ابن عربی ہے۔ ان کی طرف بہت سے عقائد اور نظریات منسوب ہیں‘ پتا نہیں ان کی طرف ان کی نسبت صحیح بھی ہے یا غلط‘ اس لیے کہ جب آسمانی کتابوں میں تحریف ہو گئی‘ احادیث میں تحریف ہو گئی‘ جھوٹی حدیثیں گھڑ کر حضور ﷺ کی طرف منسوب کی گئیں تو کوئی بعید نہیں ہے کہ ابن عربی کی کتابوں میں بھی کچھ لوگوں نے اپنے نظریات داخل کر دیے ہوں۔ بہرحال وہ ایک الگ مسئلہ ہے‘ لیکن اس حدیث کے بارے میں وہ بڑی عجیب اور بہت گہرائی والی بات کہتے ہیں۔ ان کی کتاب ہے ’’فصوص الحکم‘‘ اور اس میں انہوں نے ایک ایک نبیؑ کے حوالے سے اپنے مکاشفات بیان کیے ہیں۔ حضرت لوط علیہ السلام کے حوالے سے جو کچھ اپنی باتیں بیان کر رہے ہیں تو عجیب بات کہہ رہے ہیں۔ اس حدیث کے پہلے حصے :((وَمَا تَقَرَّبَ اِلَیَّ عَبْدِیْ بِشَیْءٍ اَحَبَّ اِلَیَّ مِمَّا افْتَرَضْتُهٗ عَلَیْهِ)) کے ضمن میں کہتے ہیں کہ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ میرا بندہ میرے کان بن جاتا ہے جن سے میں سنتا ہوں‘ میرا بندہ میری آنکھیں بن جاتا ہوں جن سے میں دیکھتا ہوں‘ میرا بندہ میرا ہاتھ بن جاتا ہے جس سے میں پکڑتا ہوں‘ میرا بندہ میری ٹانگیں بن جاتا ہے جس سے میں چلتا ہوں۔ بات وہیں آتی ہے کہ انتہائی درجے کا قرب ع ’’مٹا دیا میرے ساقی نے عالم مَن و تو!‘‘ یہ تقرب بالفرائض کا نتیجہ ہے۔ دوسری طرف نوافل کے ذریعے سے یہ ہوگا اور یہ پہلے سے اونچی منزل ہے کہ میں اپنے بندے کے

کان بن جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے‘ میں اپنے بندے کی آنکھیں بن جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے‘ میں اپنے بندے کے ہاتھ بن جاتا ہوں جن سے وہ پکڑتا ہے‘ میں اپنے بندے کے پاؤں بن جاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے

میں عرض کر چکا ہوں کہ یہ حدیث کراماتِ اولیاء کے لیے سند کا درجہ رکھتی ہے۔ البتہ ہمیں حضور ﷺ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں مکاشفات اور کرامات کا وہ نقشہ نہیں ملتا جو آپ کو صوفیاء اور اولیاء اللہ کی حکایات میں ملتا ہے۔ اس لیے کہ صحابہ کرامؓ تو اصل میں تقرب بالفرائض میں لگے ہوئے تھے۔ انہوں نے دین غالب کیا ہے‘ جانیں دی ہیں اور وہ بلند ترین محبوبیت پر ہیں۔ ہاں جب دین غالب ہو گیا‘ خلافت قائم ہو گئی تب اس سے آگے بڑھ کر لوگوں نے نوافل کے ذریعے سے تپسیائیں اور ریاضتیں کی ہیں۔ اصل بات یاد رکھنے کی یہ ہے کہ قربِ الٰہی کے دونوں ذرائع میں سے پہلے کے مقابلے میں دوسرا اونچا ہے‘ لیکن پہلا محبوب تر ہے۔

یہ ہیں وہ مضامین جو میں نے اپنے دو کتابچوں میں بیان کیے: (۱) قربِ الٰہی کے دو مراتب‘ اور (۲) مروّجہ تصوف یا سلوکِ محمدی؟ یعنی احسانِ اسلام۔ ان میں‘ میں نے بیان کیا ہے کہ مروّجہ تصوف کیا ہے اور اس میں ٹیڑھ کیوں اور کیسے آئی ہے‘ اور اب سلوکِ محمدیؐ کا احیاء ہمارے اوپر لازم ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایمان کے ظاہری و باطنی ثمرات سے مالا مال فرمائے اور ہمیں احسانِ اسلام اور سلوکِ محمدیؐ کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین!!

اَقُوْلُ قَوْلِیْ هٰذَا وَاَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ لِیْ وَلَکُمْ وَلِسَائِرِ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمَاتOO

(مرتب: حافظ محمد زاہد‘ ادارتی معاون‘ شعبہ مطبوعات)

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبویؐ آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور دعوت و تبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

قرآنِ کریم کی اُصولی باتیں (۶)

پروفیسر ڈاکٹر عمر بن عبداللہ المقبل

ترجمہ: ابوعبدالرحمٰن شبیر بن نور

پندرھواں اصول:

﴿وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ۝﴾

''پرہیزگاروں کے لیے نہایت ہی عمدہ انجام ہے۔''

قرآنِ کریم کا یہ ایک مضبوط ترین اصول ہے جو اہلِ ایمان کے دلوں میں اُمید جگاتا ہے' اور اُن کے دلوں کو اعتماد اور یقین سے بھر دیتا ہے۔

یہ قرآنی اصول ایک دفعہ سیدنا موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان سے بیان ہوا جب کہ آپ اپنی قوم کے ان لوگوں کو خوشخبری سنا رہے تھے جو اسلام لائے تھے کہ آخرت سے پہلے دنیا کی کامیابی بھی انہی کے نصیب میں ہوگی اور زمین میں اُن کو حکمرانی ملے گی بشرطیکہ وہ تقویٰ پر قائم رہیں۔ یہ خوشخبری ان الفاظ کے ساتھ بیان ہوئی:

﴿وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى ۝۱۳۲﴾ (طٰہٰ) ''اچھا انجام (اہلِ) تقویٰ کا ہے۔''

یہ بات بھی واضح رہے کہ یہاں ''عاقبت'' سے مراد صرف آخرت نہیں ہے' کیونکہ آخرت میں تو اللہ تعالیٰ نے متقین کے لیے نجات اور کامیابی کی ضمانت دی ہے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَالْاٰخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝۳۵﴾ (الزخرف)

''اور آخرت تو آپ کے رب کے نزدیک صرف پرہیزگاروں کے لیے ہی ہے۔''

بلکہ یہ انجام دنیا اور آخرت دونوں میں ہے۔ کوئی آدمی یہ پوچھ سکتا ہے کہ آج کے زمانے میں یہ اصول عملاً کہاں پایا جاتا ہے؟ اس سوال کا جواب ایک دوسرے سوال کی شکل میں ہوگا' پورے آداب و شرائط کے ساتھ تقویٰ پایا کہاں جاتا ہے؟ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ

تو غلط نہیں ہوسکتا۔

انفرادی اور اجتماعی سطح پر حالات کو ہم بخوبی دیکھ رہے ہیں۔ اس اصول پر غور کرنا چاہیے کہ ہمیں اس کی کس قدر شدید ضرورت ہے۔ ہم بات کی ابتدا اجتماعی صورتِ حال کے مطالعہ سے کرتے ہیں۔ صدیوں سے امتِ اسلام کمزوری' فرقہ بندی اور بہت سے مسلمان دشمنوں کے زیرتسلط حالات سے گزر رہی ہے۔ ایسے حالات میں بہت سارے اسلام کے نام لیوا دائرۂ اسلام سے باہر قدم جمانے میں کوشاں ہیں۔ وہ دوسرے خیالات کی تلاش میں کبھی مغرب کی طرف دیکھتے ہیں اور کبھی مشرق کی طرف' اور دوسرے مذاہب میں بھی راہ بنانے کی کوشش کرتے ہیں' جب کہ اس کا اسلام کے ساتھ دور کا بھی تعلق نہیں ہے' اس لیے کہ داخلی شکست کی وجہ سے اس کے احساس میں مایوسی چھا گئی ہے اور اس وجہ سے بھی کہ امتِ اسلام فرقہ بندی اور کمزوری کا شکار ہے اور دوسری طرف وہ مادّی ترقی کی چمک دمک سے ششدر اور حیران ہے۔ نیز اِن ملکوں میں اسے حقوقِ انسانی اور دوسرے معاملات کے حوالے سے خوبیاں اور اچھائیاں نظر آتی ہیں۔ ایسے لوگوں کے بارے میں تکلیف دہ پہلو یہ ہے کہ اِن لوگوں نے مشرق و مغرب کے معاشروں کی صرف خوبیاں ہی دیکھی ہیں' تاریک پہلو اُن کو نظر نہیں آتے یا جان بوجھ انہوں نے آنکھیں بند کر لی ہیں' جبکہ یہ تاریک پہلو بے شمار ہیں۔ اس مادی تہذیب نے صرف جسم پر توجہ دی ہے اور روح کو بھول بیٹھے ہیں' دنیا آباد اور آخرت برباد کر لی ہے۔ اور انہوں نے اپنی ساری طاقت اس بات پر خرچ کر ڈالی ہے کہ کسی طریقے سے کمزور قوموں پر غلبہ حاصل کیا جا سکے' لہٰذا اپنی تہذیب اور فوجوں کو جس پر چاہیں مسلط کر دیں۔

مثال: فرانسیسی انقلاب جس نے انسانی حقوق کی بنیاد رکھی اور انسانوں کے درمیان برابری کا اصول متعارف کروایا (جیسا کہ اس نظام کے بانی کہتے ہیں) انہی لوگوں نے جزیرہ ''ھائیٹی'' کی ایک تہائی آبادی کو اس لیے ملیامیٹ کر دیا کہ انہوں نے غلامی قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ اسی طرح فرانسیسی انقلاب کا مشہور قائد ''نابلون'' (جو کہ فرانسیسی انقلاب کی پیداوار تھا) مصر آیا تاکہ اس پر قبضہ کر لے اور یہاں استعماری نظام قائم کرے۔

انفرادی طور پر (بات کو سمجھنے کے لیے) صرف ایک مثال بیان کیے دیتا ہوں' جس کا ہماری روزانہ کی زندگی سے گہرا تعلق ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝۸۳﴾ (القصص) ''پرہیزگاروں کے لیے نہایت ہی عمدہ انجام ہے۔''

یہ آیت قارون کا واقعہ بیان کرنے کے بعد آئی ہے' جو مال کی طلب وخواہش پر صبر نہ کر سکا۔

اس آیت میں اشارہ ہے کہ چاہے انسان مرد ہو یا عورت اُسے اِس اصول پر غور کرنے کی ضرورت ہے' بالخصوص جبکہ وہ ایسے حالات میں زندگی گزار رہا ہو جہاں ہر طرف فتنے ہوں' بہکاوے کا سامان ہو اور اللہ کے دین سے گمراہ کرنے والی چیزیں ہوں' تاکہ اس کے لیے شہوات اور حرام لذت بازی پر صبر کرنا آسان ہو جائے۔ جب بھی اُس کا نفس تقویٰ کے خلاف چلنے کا کہے اُسے فوراً یاد آ جائے کہ دنیا و آخرت کی کامیابی اہلِ تقویٰ کے لیے ہے۔

اسی طرح دعوت الی اللہ کا کام کرنے والے کا معاملہ ہے۔ اُسے بھی اِس اُصول کی شدید ضرورت ہے۔ وہ دعوت کے طویل مشن پر رواں دواں ہے' جس میں خیر وشر سے بھرے مختلف امتحان آتے ہیں' بالخصوص جب کہ اُسے کوئی معاون و مددگار نہ ملتا ہو۔ ممکن ہے کہ اُسے مخالفین اور دشمنوں سے بھی واسطہ پڑے۔

اس قرآنی اصول کا خلاصہ یہ ہے کہ جو بھی اپنی زندگی اور کام میں متقی نہیں ہے اس کا انجام کبھی اچھا نہیں ہو سکتا' خواہ ایک وقت تک اُسے مہلت مل جائے یا ایک زمانے تک وہ سزا سے محفوظ رہے۔ اللہ تعالیٰ کا اپنی مخلوق میں یہی طریقہ چلا آ رہا ہے۔

جس وقت تاتاریوں نے مسلمان ملک (شام) پر حملہ کیا تھا اس وقت امام ابن تیمیہؒ نے اس قرآنی اصول ﴿وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ۝﴾ ''پرہیزگاروں کے لیے نہایت ہی عمدہ انجام ہے'' اور دوسری آیات سے استدلال کرتے ہوئے' قسم کھا کر فرمایا تھا کہ تاتاری کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے' بلکہ شکست کھائیں گے اور ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے۔ اُس وقت آپ نے جو کہا اس کے الفاظ یوں تھے: ''اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کی اصلاح فرمائے' خوب جان لو کہ کامیابی اہل ایمان کے لیے ہے اور اچھا انجام اہل تقویٰ کا ہے' اور اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور جو اپنی منزل کی طرف محنت سے آگے بڑھتے ہیں۔ البتہ یہ لوگ (تاتاری) شکست کھا کر رہیں گے اور ان کو نیست و نابود کر دیا جائے گا' اللہ تعالیٰ ان کے مقابلے میں ہماری مدد کرے گا اور ان سے ہمارا انتقام اور بدلہ لے گا۔ کوئی ہمت اور طاقت اللہ تعالیٰ کی توفیق کے بغیر کامیاب نہیں ہو سکتی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فتح و کامیابی کی خوشخبری سن لو' اور اچھا انجام بھی اسی کی طرف سے ہے۔ اس حقیقت کا ہمیں یقین ہے اور یہ ہو کر رہنا ہے' اور سب تعریفیں اللہ ربّ العالمین کے لیے ہیں۔''

سولھواں اصول:

﴿قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ﴾

''آپ فرما دیجیے کہ ناپاک اور پاک برابر نہیں ہو سکتے۔''

قرآنِ کریم کا یہ عظیم اصول ہے۔ جہاں بھی انسان کو اقوال' افعال' سیرت و کردار اور مقالات میں تفریق کرنے کی ضرورت پیش آئے وہاں اس کی ضرورت ہوتی ہے۔

خبیث: جو چیز بری اور بیکار ہونے کی وجہ سے ناپسندیدہ ہو وہ خبیث کہلاتی ہے' چاہے وہ ظاہراً دیکھی جانے والی چیز ہو یا معنوی چیز ہو۔ چنانچہ ''خبیث'' میں ہر غلط گفتگو' برا اعتقاد' جھوٹی بات اور برا کام شامل ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہر قسم کے برے کام کو ناپسند کرتا ہے اور اُس سے راضی نہیں ہوتا۔ نتیجتاً وہ کام جہنم میں لے جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَيَجْعَلَ الْخَبِيْثَ بَعْضَهٗ عَلٰى بَعْضٍ فَيَرْكُمَهٗ جَمِيْعًا فَيَجْعَلَهٗ فِيْ جَهَنَّمَ﴾ (الانفال:۳۷)

''اور ناپاکوں کو ایک دوسرے سے ملا دے' پس ان سب کو ڈھیر کر دے' پھر ان سب کو جہنم میں ڈال دے۔''

جب خبیث کے معانی واضح ہو گئے تو ''طیب'' (پاکیزہ) اس کا اُلٹ ہوا۔ پس اقوال' افعال' صحیح اعتقادات میں سے جو بھی واجب' مستحب اور مباح ہیں' وہ سب اِس میں داخل ہو جائیں گے۔ چنانچہ اس قاعدے میں ہر وہ چیز داخل ہو جائے گی جسے اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہو خواہ اس کا درجہ واجب ہو' مستحب ہو یا مباح ہو۔

چنانچہ ایمان و کفر' اطاعت و نافرمانی' اہلِ جنت و اہلِ جہنم اور اچھے اعمال و برے اعمال' نیز مالِ حلال و مالِ حرام برابر نہیں ہو سکتے۔ درجِ ذیل آیت کے شروع میں یہ قاعدہ بیان ہوا ہے' فرمایا:

﴿قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۝۱۰۰﴾ (المائدۃ)

''(اے نبی ﷺ!) آپ فرما دیجیے کہ ناپاک اور پاک برابر نہیں' گو آپ کو ناپاک کی کثرت اچھی لگتی ہو۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اے عقل مندو' تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔''

اور یہ بات اسی سلسلہ کلام میں بیان ہوئی ہے' جس میں کھانے پینے کی اقسام' شکار کے احکام اور

حرام وحلال کی تفصیلات بیان ہوئی ہیں۔ اس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں کہ آیت اس لیے تو بہرحال نہیں آئی کہ محض یہ بتا دے کہ خبیث وطیب برابر نہیں ہوا کرتے۔ یہ بات تو بالکل واضح ہے اور فطری طور پر معلوم ہے' بلکہ اصل غرض یہ ہے کہ اس بات کی ترغیب دلائی جائے کہ قول وعمل' اعتقاد اور کمائی میں طیب کو تلاش کیا جائے۔ دوسری طرف قول وعمل' اعتقاد اور کمائی میں خبیث سے اجتناب کیا جائے۔

جب صورتِ حال یہ ہے کہ بعض لوگ اقوال' افعال اور کمائی میں خبیث کی طرف رغبت رکھتے ہیں اور بہت سارے لوگ فوری فائدے کو دیر سے ملنے والے فائدے پر اور ختم ہونے والے فائدے کو ہمیشہ باقی رہنے والے فائدے پر ترجیح دیتے ہیں' تو خبیث کے بارے میں عجیب انداز میں متنبہ کیا گیا ہے جس سے ہر اُس آدمی کی بات کا جواب ہو گیا جو یہ سمجھ رہا ہے کہ بہت سارے لوگ خبیث سے فائدہ اُٹھا رہے ہیں۔ فرمایا:

﴿وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ﴾

''گو آپ کو ناپاک کی کثرت اچھی لگتی ہو!''

یہ حقیقت ہے کہ بعض خبائث میں کچھ نہ کچھ جسمانی یا معنوی لذت ہوا کرتی ہے' جیسے حرام طریقے سے بہت سارا مال کما لینا' زنا کرنا' شراب نوشی کرنا یا دوسرے لذت والے حرام کاموں کے ذریعے جسمانی لذت حاصل کرنا۔ بسا اوقات یہ چیزیں انسان کو برائی کی طرف مائل کرتی ہیں اور اُسے اچھی بھی لگتی ہیں۔ یہ بات بھی صحیح ہے کہ یہ چیزیں بہت زیادہ پائی جاتی ہیں' اِن کے استعمال سے لذت بھی ملتی ہے اور باآسانی مل بھی جاتی ہیں' لیکن نتیجہ وہی ہے کہ انسان کو اَبدی اور باقی رہنے والی نعمتوں اور خوشیوں سے محروم کر دیتی ہیں۔

جب معاملہ اسی طرح ہے جیسے کہ بیان ہوا تو ممکن ہی نہیں کہ ''خبیث''، ''طیب'' کے برابر آ جائے (اگرچہ اس کی کثرت تمہارے دل کو اچھی لگتی ہو)۔ طیب کا بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس کے ذریعے اللہ کی پہچان' محبت اور اطاعت کی توفیق ملتی ہے۔ قسم بخدا یہی وہ خوشگوار زندگی ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے ہر اُس انسان سے وعدہ کیا ہے جو اِستقامت پر زندگی گزار دے۔ نتیجتاً اُس کی زندگی دنیا میں' برزخ میں' اور آخرت میں بہت عمدہ اور خوشگوار ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ (النحل)

''جو شخص نیک عمل کرے مرد ہو یا عورت لیکن باایمان ہو ہم اُسے یقیناً نہایت بہتر زندگی عطا فرمائیں گے' اور اُن کے نیک اعمال کا بہتر بدلہ بھی اُنہیں ضرور دیں گے۔''

چونکہ ان لوگوں کے اقوال' افعال اور زندگی عمدہ تھی' لہٰذا اللہ کی طرف اُن کی واپسی بھی عمدہ ہی رہے گی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ طَيِّبِيْنَ ۙ﴾ (النحل: ۳۲)

''وہ جن کی جانیں فرشتے اس حال میں قبض کرتے ہیں کہ وہ پاک صاف ہوں۔''

چونکہ اس اصول کا مقام بہت عظیم ہے اور جو باتیں اس میں بیان ہوئی ہیں وہ بھی بہت عظیم ہیں' تو بہت ساری شکلوں میں قرآن کریم نے اس کی تاکید فرمائی ہے:

(۱) اس بات کی تاکید کی کہ ہمیشہ پاکیزہ کمائی کی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِى الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝﴾ (البقرۃ)

''لوگو! زمین میں جتنی بھی حلال اور پاکیزہ چیزیں ہیں انہیں کھاؤ پیو اور شیطانی راہ پر نہ چلو۔ وہ تو تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے۔''

بالخصوص اپنے رسولوں اور پیغمبروں (علیہم السلام) سے مخاطب ہو کر فرمایا:

﴿يٰٓاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ۭ اِنِّىْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ۝﴾ (المؤمنون)

''اے پیغمبرو! حلال چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو۔ تم جو کچھ کر رہے ہو اس سے میں بخوبی واقف ہوں۔''

اس ساری بحث کا مقصد یہ ہے کہ اس عظیم مقصد یعنی پاکیزہ کمائی پر دھیان دیا جائے۔ سلف صالحین اس مسئلے پر بڑی توجہ دیا کرتے تھے' حتیٰ کہ ان میں سے کچھ لوگ سینکڑوں میل کا سفر کرتے' وطن کی جدائی برداشت کرتے' اور یہ سب کچھ اس لیے کرتے تاکہ لقمہ حلال حاصل کر سکیں۔ امام سفیان ثوریؒ کا فرمان ہے: ''حلال روزی کمانا بہادروں کا کام ہے۔''

(۲) قرآنِ کریم کے اس عظیم قاعدے سے ایک راہنمائی یہ بھی ملتی ہے کہ یہ بات قطعاً صحیح نہیں کہ ہم کسی چیز کی کثرت کو بنیاد بنا کر کہیں کہ یہ چیز ''طیب'' ہے اور صحیح ہے اور اس پر کوئی شرعی پابندی نہیں ہے۔ یہی حکم اقوال' افعال اور عقائد پر لاگو ہوگا۔ بلکہ اصل فرض تو یہ ہے کہ ہم چیزوں کے بارے میں فیصلہ اُن کی کیفیت اور صفت کو سامنے رکھ کر کریں کہ کس حد تک یہ چیز یا

کام شریعتِ مطہرہ کے مطابق ہے۔

اِس ایک بات پر غور کرلیں کہ انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کو ماننے والے کتنے کم ہوا کرتے تھے اور اُن کے دشمن کس قدر زیادہ ہوا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾

(الانعام:۱۱۶)

''اور دنیا میں زیادہ لوگ ایسے ہیں کہ اگر آپ اُن کا کہنا ماننے لگیں تو وہ آپ کو اللہ کی راہ سے بے راہ کردیں۔''

یہی بات ایک عالم ومبلّغ کو بھی سامنے رکھنی چاہیے کہ وہ اس بات کا خیال رکھے کہ منہج اور طریقہ کس کا صحیح ہے؟ یہ نہ دیکھے کہ کس بات کو ماننے والے زیادہ ہیں۔

اے مؤمن بھائی! یہ بات بالکل پکی ہے کہ جس قدر لذت ومزہ حرام میں ہے اتنا ہی مزہ حلال میں بھی ہے بلکہ اس سے بہتر ہے' اور بڑی بات یہ ہے کہ حلال کی برکت سے دنیا اور آخرت میں برے انجام سے حفاظت ہے۔ عقل مند انسان جب اپنے آپ کو خواہشات کی غلامی سے آزاد کرلیتا ہے اور اپنے دل کو تقویٰ اور اللہ کے ڈر سے بھر لیتا ہے تو وہ صرف طیب (پاکیزہ) ہی کا انتخاب کرتا ہے' بلکہ اس کا نفس خبیث سے دور بھاگتا ہے' بھلے وہ بہت ساری لذتوں سے محروم ہوجائے اور اسے مشکلات کا سامنا کرنا پڑے۔ بالآخر نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ دنیا وآخرت میں کامیاب ہوجاتا ہے اور وہ اپنے دل کو اس آیت کے ذریعے تسلی دیتا رہتا ہے:

﴿قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ ۚ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى ۣ وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا﴾ (النساء)

''(اے نبی ﷺ!) آپ کہہ دیجئے کہ دنیا کی سودمندی تو بہت ہی کم ہے' اور پرہیزگاروں کے لیے تو آخرت ہی بہتر ہے' اور تم پر ایک دھاگے کے برابر بھی ستم روا نہ رکھا جائے گا۔''

سترھواں اصول

﴿اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ﴾

''بہتر آدمی جسے آپ ملازمت پر رکھیں وہ ہے جو مضبوط اور امانت دار ہو۔''

معاملات اور لوگوں کے درمیان تعلقات کے حوالے سے یہ قرآنِ حکیم کا انتہائی محکم

اور مضبوط اصول ہے۔

سورۃ القصص میں حضرتِ موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام اور مدین کے رہائشی بزرگ کے واقعے کے حوالے سے یہ اصول آیا ہے۔ یہ بزرگ پانی کی تلاش میں نکلنے سے عاجز تھے' ان کی دونوں بیٹیاں جانوروں کو پانی پلانے کی خاطر نکلا کرتی تھیں۔ کنویں سے لوگوں کے (اپنے جانوروں کو) پانی پلاکر جانے کے انتظار میں انہیں دیر ہو رہی تھی۔ موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی مروّت اور مردانگی سے برداشت نہ ہوا اور ان بچیوں کے سوال کرنے سے پہلے ہی اُن کی ضرورت پوری کردی اور ان کے جانوروں کو پانی پلا دیا۔ آپ علیہ السلام کا یہ کام ان دونوں بچیوں کو بہت پسند آیا' تو انہوں نے گھر بیٹھے بوڑھے باپ سے جاکر اس واقعہ کا تذکرہ کیا۔ بوڑھے باپ نے موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کو بلالانے کی خاطر بھیجا۔ جب موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام تشریف لائے اور انہوں نے اپنے حالات سنائے' اور بچیوں کو بھی خوب معلوم تھا کہ ان کا والد تندرست مردوں والے کام نہیں کرسکتا' تو اِن دونوں بچیوں میں سے ایک نے اپنے باپ سے کہا:

﴿يٰٓاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ ۡ اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ﴾ (القصص)

''اباجی! آپ انہیں مزدوری پر رکھ لیجئے' کیونکہ آپ جنہیں اُجرت پر رکھیں ان میں سے بہتر وہ ہے جو مضبوط اور امانت دار ہو۔''

لڑکی نے کہا: ''بہتر آدمی جسے آپ ملازمت پر رکھیں وہ ہے جو مضبوط اور امانت دار ہو''۔ یہ اس لڑکی کے مطالبے کا سبب اور وجہ ہے۔

قوت (طاقت)' کام کی ضرورت ہے اور امانت کام کو اچھے طریقے سے نمٹانے کی صلاحیت کا نام ہے۔

بالخصوص ان دونوں صفات کا بیان کرنا اس بچی کے انتہائی سمجھ دار اور ذہین ہونے کی دلیل ہے' جس نے یہ دونوں خوبیاں سیدنا موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام میں محسوس کرلیں۔ تمام قوموں اور شریعتوں میں اہل علم وفراست ان دونوں خوبیوں کی ضرورت واہمیت پر متفق ہیں۔

علمائے کرام رحمہم اللہ نے اس آیت کو اس اصول کی بنیاد قرار دیا ہے کہ جو انسان جس کام کا ذمہ دار بنایا جائے اس میں یہ دونوں خوبیاں پائی جائیں' اور جس آدمی میں یہ دونوں خوبیاں پائی جائیں وہ اس کام کا زیادہ حق دار ہے۔ جس قدر ذمہ داری بڑی ہوگی اسی اعتبار سے ان دونوں خوبیوں کے حوالے سے سختی زیادہ ہوگی۔

جو آدمی بھی قرآن کریم کا مطالعہ کرتا ہے اسے ان دونوں خوبیوں میں گہرا ربط نظر آتا ہے۔ قوت و امانت کو متعدد جگہ اکٹھا ملا کر بیان کیا گیا ہے۔

(۱) انبیاء و رسل علیہم الصلاۃ والسلام تک وحی اور پیغامات پہنچانے والے فرشتے (جبریل علیہ الصلاۃ والسلام) کے بارے میں تعریف کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ۙ﴿۱۹﴾ ذِيْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ ۙ﴿۲۰﴾ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ ۭ﴿۲۱﴾﴾ (التکویر)

''یقیناً یہ ایک بزرگ رسول کا کہا ہوا ہے۔ جو قوت والا ہے' عرش والے (اللہ) کے نزدیک بلند مرتبہ ہے۔ جس کی (آسمانوں میں) اطاعت کی جاتی ہے اور وہ امین ہے۔''

(۲) سیدنا یوسف علیہ الصلاۃ والسلام نے بادشاہِ مصر سے فرمایا:

﴿اجْعَلْنِيْ عَلٰي خَزَاۗىِٕنِ الْاَرْضِ ۚ اِنِّىْ حَفِيْظٌ عَلِيْمٌ ۝﴿۵۵﴾﴾ (یوسف)

''آپ مجھے ملک کے خزانوں پر مقرر کر دیجئے' میں حفاظت کرنے والا' باخبر ہوں۔''

یعنی جو ذمہ داری مجھے دی جائے گی' میں اس کی حفاظت کروں گا۔ کوئی چیز بے محل ضائع نہیں ہوگی' ہر آنے جانے والی چیز کا ریکارڈ ہوگا۔ میں اس پورے نظام کو خوب جانتا ہوں' کس کو دینا ہے کس کو نہیں دینا' اور دوسرے معاملات سے بھی واقف ہوں۔

(۳) سیدنا سلیمان علیہ الصلاۃ والسلام کے واقعے میں بیان ہوا ہے' وہ اپنے اردگرد موجود افراد سے ملکہ سبا ''بلقیس'' کے عرش کو لانے کے معاملے پر غور کر رہے تھے۔

﴿قَالَ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَيُّكُمْ يَاْتِيْنِيْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ يَّاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ۝﴿۳۸﴾ قَالَ عِفْرِيْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ ۚ وَاِنِّىْ عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ اَمِيْنٌ ۝﴿۳۹﴾﴾ (النمل)

''آپؑ نے فرمایا: اے سردارو! تم میں سے کوئی ہے جو اُس کے مسلمان ہو کر پہنچنے سے پہلے ہی اُس کا تخت میرے پاس لے آئے؟ ایک دیو ہیکل جن کہنے لگا: آپ کے اپنی اس مجلس سے اُٹھنے سے پہلے ہی میں اسے آپ کے پاس لے آتا ہوں۔ یقین مانیے کہ میں طاقتور ہوں اور ہوں بھی امانت دار۔''

انہی دلائل کی روشنی میں اہلِ علم نے یہ اصول بیان کیا ہے کہ ہر منصب اور ہر کام کے لیے بہتر سے بہتر انسان کا انتخاب کیا جائے' کیونکہ ذمہ داری کے دو رکن ہوا کرتے ہیں:

طاقت اور امانت' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ ۝﴿۲۶﴾﴾ (القصص)

''آپ جنہیں اُجرت پر رکھیں اُن میں سے بہتر وہ ہے جو مضبوط اور امانت دار ہو۔''

ہر ذمہ داری کے اعتبار سے طاقت کا معیار مختلف ہوا کرتا ہے۔ جنگ کی ذمہ داری ہو تو معیار: دل کی بہادری' جنگوں کا تجربہ' دشمن کو دھوکہ دینے کی صلاحیت اور مختلف طریقوں سے جنگ کرنے کی طاقت ہے۔ لوگوں میں فیصلہ کرنے کی ذمہ داری ہو تو طاقت کا معیار: کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ ﷺ کے مطابق عدل و انصاف پر مبنی علم ہے۔ نیز فیصلوں کو جرأت کے ساتھ نافذ کرنے کی طاقت موجود ہو۔

امانت کی بنیاد اللہ تعالیٰ کا ڈر اور خوف ہے کہ وہ اللہ کی آیات کو بیچ کر دنیا نہ کمائے اور لوگوں سے نہ ڈرے۔

آخر میں فرمایا: اس موضوع کی اہم بات یہ ہے کہ بہتر سے بہتر انسان کو لایا جائے۔ اور یہ اسی وقت ہو پائے گا جب ذمہ داری کے مقصد کو سمجھا جائے گا اور اس ذمہ داری تک پہنچنے کے طریقوں کو جانا جائے گا۔ جب مقاصد اور وسائل سمجھ آ جائیں تو معاملہ حل ہو جاتا ہے۔

(جاری ہے)

❁❁❁

بقیہ: دنیا کی زندگی کی حقیقت

ایک شخص نے تو بڑی دانائی کی بات کی کہ جب انسان مرجاتا ہے تو چاہے جتنا ہی امیر کیوں نہ ہو' گھر والے اسے چارپائی بھی نہیں دیتے' وہ بھی مسجد سے آتی ہے۔ کفن بھی بازار سے آئے گا اور وہ بھی اَن سلا ہوگا۔ انسان کو دنیا کی زندگی سے کچھ حاصل نہیں ہوگا سوائے اس کے جو اُس نے آخرت کے لیے منصوبہ بندی کی ہوگی اور اس کے تحت نیک اعمال کیے ہوں گے۔ قرآن مجید میں تمام انسانوں کی راہنمائی کے لیے بیس سے پچیس مرتبہ دنیا کی زندگی کی حقیقت کو بیان کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دنیا کی زندگی کے فریب سے بچائے اور اس کی حقیقت کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے' کیونکہ جس کو بھی دنیا کی زندگی کی حقیقت معلوم ہوگئی اور دھوکے باز شیطان کا علم ہو گیا تو اس کا شمار اللہ کے مقرب بندوں میں ہو جائے گا اور کامیاب زندگی اُسی کی ہوگی۔

❁❁❁

دنیا کی زندگی کی حقیقت

محمد عظیم ☆

انسان اس دنیا میں پیدا ہو کر جب آنکھ کھولتا ہے' اس دنیا کو دیکھتا اور محسوس کرتا ہے تو اسے لگتا ہے کہ یہی دنیا اصل میں حقیقی زندگی ہے۔ وہ اپنی ظاہری آنکھ سے جو کچھ دیکھتا ہے وہی اس کو حقیقت لگتا ہے۔ وہ یہ بھول جاتا ہے کہ پیدا ہونے سے پہلے وہ کس حالت میں تھا' کن مراحل سے گزرا' اور کون تھا جو ماں کے پیٹ میں اسے کھلاتا پلاتا' کروٹیں بدلتا اور ہر طرح سے اس کی نشوونما اور خیال رکھتا رہا۔ حتیٰ کہ وہ موت کو بھی بھول جاتا ہے اور آخرت کے تصور سے بے نیاز ہو کر دنیا کی رنگینیوں میں کھو جاتا ہے۔ انسان سمجھتا ہے کہ اُسے یہیں رہنا ہے اور یہی اس کی کل کائنات ہے۔ چنانچہ اسی کو بنانے سنوارنے میں مصروف ہو جاتا ہے اور سارا وقت اسی منصوبہ بندی اور عمل وفکر میں گزارتا ہے۔ لیکن حقیقت میں دنیا کی زندگی کیا ہے' اس کی اہمیت کس قدر ہے اور ایک کامیاب انسان کو اس دنیا کو کس نظر سے دیکھنا چاہیے' قرآن مجید اس حوالے سے بنی نوع انسان کی بہترین راہنمائی کرتا ہے۔ سورۃ الانعام میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ؕ وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۳۲﴾﴾

''نہیں ہے دنیا کی زندگی سوائے کھیل تماشے کے۔ اور آخرت کا گھر ان لوگوں کے لیے بہتر ہے جو پرہیزگار ہیں۔ تو کیا تم عقل نہیں رکھتے؟''

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے دنیا کی زندگی کی ساری حقیقت کھول کر بیان کر دی ہے کہ دنیا کی زندگی سوائے کھیل تماشے کے کچھ نہیں ہے۔ اب جو کھیل تماشے میں لگ گیا' صاف ظاہر ہے کہ اس نے اپنا وقت ضائع کیا' اور وہ قیمتی سرمایہ جو زندگی کی صورت میں اسے ملا تھا' اس کے ہاتھوں سے بے کار اور بے مقصد چلا گیا۔ لہٰذا ایسا انسان بدترین خسارے میں رہا۔ جبکہ اس کے برعکس جو لوگ اللہ سے تقرب کے خواہاں ہیں' خسارے سے بچنا چاہتے ہیں اور اس

☆ ناظم مالیات' تنظیم اسلامی' حلقہ لاہور شرقی

مقصد کے لیے پرہیزگاری اختیار کرتے ہیں تو ان کے لیے آخرت کا گھر بہت ہی بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں خسارے کی زندگی سے بچائے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بار بار اس خسارے سے بچنے کے لیے تنبیہہ فرمائی ہے۔ ارشاد ہوا:

﴿وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ ؕ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۶۴﴾﴾ (العنکبوت)

''دنیا کی زندگی تو محض کھیل تماشا ہے۔ کاش یہ لوگ جانتے ہوتے کہ آخرت کا گھر ہی سب سے بہترین گھر ہے۔''

زندگی کو بامقصد کیسے بنائیں؟

کھیل کوئی بھی ہو' اپنے وقت پر ختم ہو جاتا ہے۔ جیسے کرکٹ کا کھیل ہے' ہاکی ہے' بیڈمنٹن ہے' کچھ وقت کے لیے کھلاڑی جمع ہو کر کھیلتے ہیں' تماشائیوں سے داد اور انعامات وصول کرتے ہیں اور اس کے بعد کھیل ختم ہو جاتا ہے۔ دنیا کی زندگی کی بھی یہی مثال ہے۔ اس خسارے کی زندگی سے بچنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے خود ہی راستہ بھی دکھا دیا:

﴿اِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ؕ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا يُؤْتِكُمْ اُجُوْرَكُمْ وَلَا يَسْئَلْكُمْ اَمْوَالَكُمْ ﴿۳۶﴾﴾ (محمد)

''دنیا کی زندگی تو محض لہو ولعب (کھیل تماشا) ہے۔ لیکن اگر تم ایمان لے آؤ اور تقویٰ اختیار کرو تو وہ تمہیں تمہارے اجر عطا کرے گا اور تم سے تمہارے اموال طلب نہیں کرے گا۔''

یعنی دنیا کی زندگی تو محض کھیل تماشا ہے' لیکن اگر انسان اس زندگی کو اپنے رب کی رضا کے حصول کے لیے مقصد بنا لے تو اس کا بہت عظیم اجر رب کے پاس سے پائے گا جو دنیا میں بھی اس کے لیے راحت اور کامیابیوں و کامرانیوں کا باعث ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ تم سے زبردستی تمہارے اموال کا مطالبہ نہیں کرے گا۔ تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے تو اس میں تمہارا اپنا ہی فائدہ ہے۔

دھوکے سے بچیے!

یہ اللہ کا وعدہ ہے کہ ایسے لوگوں کو جو ایمان لانے کے بعد تقویٰ اختیار کریں گے' اجر عظیم کی صورت میں دنیا اور آخرت میں بے انتہا مسرتیں اور کامیابیاں ملیں گی۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی بھلائی کے لیے بار بار اپنے اس وعدے کو قرآن مجید میں دُہرایا ہے اور ساتھ ہی ساتھ دنیا

کی زندگی کے فریب اور دھوکے سے بچنے کے لیے بھی بار بار انسان کو یاد دہانی کرائی ہے' تاکہ انسان دنیا کے دھوکے میں پڑ کر اس اجرِعظیم سے محروم نہ رہ جائے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا ۪ وَلَا یَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ۝۵﴾ (فاطر)

''اے لوگو! بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے تو تمہیں دنیا کی زندگی دھوکے میں نہ ڈال دے۔ اور وہ بڑا دھوکے باز (شیطان) تمہیں ہرگز دھوکے میں مبتلا نہ کر دے۔''

انسان کی سوچ دنیا تک محدود ہے۔ اس کے نزدیک گھر' دولت' کاروبار ہی کامیابی کی علامت ہے' دنیا کی زندگی میں ترقی ہی اس کے نزدیک کامیابی کا معیار ہے۔ اسی ترقی کے لیے وہ دن رات محنت کرتا ہے۔ دنیا کی زندگی کے لیے سب کچھ کرنا اور اصل مقصد یعنی آخرت کو بھلا دینا' یہی دھوکا ہے۔ دنیا کی زندگی میں ترقی اور محنت منع نہیں ہے' لیکن اگر اللہ کا حق نظر انداز کر کے انسان صرف دنیا کو ہی مقصد بنا لے تو پھر یہ دھوکا ہے۔ ایک اور چیز جو انسان کو دنیا کے دھوکے میں ڈالتی ہے وہ یہ ہے کہ میں مزید کماتا چلا جاؤں۔ کئی لوگ ریٹائرمنٹ کے بعد بھی دنیا کمانے میں لگے ہوئے ہوتے ہیں۔ پوچھو تو جواب ہوتا ہے کہ اپنے آپ کو مصروف رکھنے کے لیے۔ ارے بھئی آپ اپنے کو مصروف ہی رکھنا ہے تو اللہ کی یاد میں مصروف رکھا کرو۔ اگر اللہ کی یاد میں مصروف رہو گے تو آپ کا نامۂ اعمال بھی بہتر ہوتا رہے گا۔ جبکہ ہر شخص کا کاؤنٹ ڈاؤن ہو رہا ہے' آج سے پہلے جتنا میرا وقت گزر گیا دوبارہ لوٹ کر نہیں آنے والا۔ اُلٹی گنتی شروع ہو چکی ہے کہ میں لمحہ لمحہ موت کے زیادہ قریب جا رہا ہوں۔

دھوکے باز دشمن

اللہ تعالیٰ نے انسان کی بھلائی کے لیے اسے ایک خطرناک دشمن سے بھی خبردار کر دیا ہے' چنانچہ قرآن حکیم میں ایک سے زائد بار فرمایا گیا کہ ''خبردار! وہ بڑا دھوکے باز (شیطان) تمہیں دھوکے میں نہ ڈال دے!''

اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے کھلے لفظوں میں اس دشمن سے خبردار کر دیا۔ اب یہ ہمارا کام ہے کہ ہم اس دشمن کی چالوں سے کس طرح اپنے آپ کو بچاتے ہیں' جو کہتا ہے کہ اللہ بڑا غفور و رحیم ہے' معاف کرنے والا ہے' گناہوں کو معاف کر دے گا' ابھی بڑا وقت ہے' گناہ کر لو' جب وقت آئے گا تو توبہ کر لیں گے۔ یعنی فسق و فجور میں زندگی گزار لو اور آخر میں معافی مانگ

لو۔ لیکن معافی کس نے مانگی؟ تاریخ انسانی میں ایک شخص ایسا تھا جس نے آخر وقت میں معافی مانگی مگر اللہ نے اس کی توبہ کو قبول نہیں کیا۔ قرآن میں اس کا ذکر ہے کہ جب فرعون اپنے لشکر سمیت ڈوبنے لگا تو اس نے کہا: ''میں ایمان لایا کہ کوئی معبود نہیں سوائے اُس کے جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں' اور میں فرمانبرداروں میں سے ہوں''۔ مگر اس وقت اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''کیا اب (تو ایمان لا رہا ہے)؟ حالانکہ اس سے پہلے تو نافرمانی کرتا رہا ہے اور تو فساد برپا کرنے والوں میں سے تھا؟'' (یونس: ۹۰'۹۱) چنانچہ پتا نہیں' زندگی میں وہ وقت کبھی ملتا بھی ہے یا نہیں ملتا اور پھر اللہ تعالیٰ اس وقت توبہ قبول کرتے بھی ہیں یا نہیں کرتے! ہمارے پاس ایک ٹائم فریم موجود ہے' لہٰذا ہم نے جو بھی کرنا ہے اسی ٹائم فریم کے اندر کرنا ہے۔ اب یہ ہم پر منحصر ہے کہ ہم اپنے ازلی دشمن کی باتوں میں آ کر دنیا کے دھوکے میں پڑتے ہیں یا دنیا میں آنے کے اصل مقصد کو مدنظر رکھتے ہیں۔ سورۃ الاعلیٰ میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا ۝۱۶ وَالْاٰخِرَةُ خَیْرٌ وَّاَبْقٰی ۝۱۷﴾

''بلکہ تم دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو' حالانکہ آخرت کی زندگی دائمی اور ہمیشہ رہنے والی ہے۔''

ریلوے سٹیشن یا بس سٹینڈ پر مسافروں کے لیے انتظار گاہیں تو ضرور ہوتی ہیں' مگر کبھی کسی نے نہیں دیکھا ہوگا کہ کسی شخص نے ریلوے اسٹیشن یا بس اسٹینڈ پر چند گھنٹے انتظار کرتے ہوئے اس جگہ کو اپنا گھر سمجھ لیا ہو اور اس کی آرائش میں مشغول ہو گیا ہو۔ دنیا کی زندگی کی بھی یہی مثال ہے۔ دنیا کو مستقل ٹھکانہ سمجھنے اور بنانے والا انسان یقیناً خسارے کا سودا کرتا ہے۔

دنیا کی زندگی کی مثال

دنیا کی اس مختصر زندگی کو جو لوگ آخرت کی دائمی زندگی پر ترجیح دیتے ہیں ان کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایک مثال بیان کی ہے۔ فرمایا:

﴿وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِیْمًا تَذْرُوْهُ الرِّیٰحُ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ مُّقْتَدِرًا ۝۴۵﴾ (الکہف)

''اور مثال بیان کریں ان کے لیے دنیا کی زندگی کی جیسے پانی کہ ہم نے اسے آسمان سے اُتارا تو اس کے ساتھ مل جل کر نکل آیا زمین کا سبزہ' پھر (ایک وقت آیا کہ) وہ ہو گیا

چورا چورا جسے ہوائیں اڑائے پھرتی ہیں۔ اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔''

ہر فصل پکنے کے بعد ایک دن کٹتی ہے‘ اس کا اناج کھا لیا جاتا ہے اور باقی بُھس بن کر ختم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح انسان کی زندگی بھی کھیتی کی مانند ختم ہونے والی ہے‘ لیکن نادان انسان اسی دنیا کی زندگی کو ہی سب کچھ سمجھتا ہے اور آخرت پر بہت کم لوگوں کا دھیان ہے۔

موت کے بعد حیات

مشرکین مکہ کہتے تھے کہ مرنے کے بعد گلی سڑی ہڈیوں کو دوبارہ کیسے زندہ کیا جائے گا؟ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کی مثال دے کر انہیں سمجھایا۔ جب ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے التجا کی کہ ''پروردگار! میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ مرنے کے بعد آپ کیسے زندہ کرتے ہیں؟'' تو اللہ نے فرمایا: ''کیا تمہیں یقین نہیں ہے؟'' عرض کیا: ''یقین تو ہے لیکن دل کی تسلی چاہتا ہوں''۔ اللہ نے فرمایا: ''تو چار پرندے لو‘ ان کو اپنے سے مانوس کرو اور پھر (چاروں کو ذبح کر کے) ان کے ٹکڑے مختلف پہاڑوں کے اوپر ڈال دو‘ پھر ان چاروں کو پکارو‘ وہ تمہارے پاس اڑتے چلے آئیں گے۔ اور جان لو کہ اللہ غالب اور حکمت والا ہے''۔ (البقرۃ:۲۶۰) یعنی تم جہاں بھی دنیا کے اندر ہو گے ہم قیامت کے روز تمہیں اسی طرح اُٹھائیں گے۔

یہ طے ہے کہ ایک دن ہم سب نے اُٹھنا اور اللہ کے سامنے حاضر ہو کر اپنا اپنا حساب دینا ہے۔ دنیا میں انسان اپنے عمل کے اعتبار سے جو کتاب مرتب کر رہا ہے‘ قیامت کے دن وہی کتاب اس کے گلے میں لٹکا دی جائے گی۔ اس دن اللہ فرمائے گا کہ ''اپنی کتاب پڑھ لو!'' اور اُس دن ہر شخص نے اپنی کتاب خود پڑھنی ہے۔ کوئی اُس دن دوسرے کا بوجھ اُٹھانے والا نہیں ہو گا‘ ہر انسان نے اپنا بوجھ خود اُٹھانا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِیْنَةُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۚ وَالْبٰقِیٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَیْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَیْرٌ اَمَلًا ﴿۴۶﴾﴾ (الکھف)

''مال اور بیٹے دنیوی زندگی کی زینت ہیں۔ اور باقی رہنے والی نیکیاں بہت بہتر ہیں تیرے رب کے نزدیک ثواب کے لحاظ سے بھی اور امید کے اعتبار سے بھی۔''

مال اور اولاد دنیا کی زینت ہیں‘ انہیں نیک مقاصد کے لیے استعمال کرو۔ ان سے اُمید رکھنا کہ قیامت کے دن یہ کام آئیں گے‘ بے وقوفی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول ہے: ''دنیا کے اندر مال مت جمع کرو جہاں کیڑا لگنے کا خطرہ ہے۔ اپنا مال آخرت میں جمع کرو جہاں نہ

چوری کا ڈر ہے اور نہ کیڑا لگنے کا خطرہ''۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿یَّوْمَ یُنْفَخُ فِی الصُّوْرِ وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِیْنَ یَوْمَئِذٍ زُرْقًا ﴿۱۰۲﴾ یَّتَخَافَتُوْنَ بَیْنَهُمْ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا عَشْرًا ﴿۱۰۳﴾ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا یَقُوْلُوْنَ اِذْ یَقُوْلُ اَمْثَلُهُمْ طَرِیْقَةً اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا یَوْمًا ﴿۱۰۴﴾﴾ (طٰہٰ)

''جس دن صور پھونکا جائے گا اور ہم مجرموں کو اس حال میں گھیریں گے کہ ان کی آنکھیں پتھرائی ہوئی ہوں گی۔ وہ آپس میں چپکے چپکے باتیں کر رہے ہوں گے کہ دنیا میں بمشکل تم نے دس دن گزارے ہوں گے۔ ہم خوب جانتے ہیں وہ کیا باتیں کر رہے ہیں‘ جب ان میں سے بہترین سمجھ بوجھ والا شخص کہے گا کہ تم دنیا میں رہے ہو صرف ایک دن۔''

قرآن یہ کہتا ہے کہ دنیا کا ایک ہزار سال آخرت کے ایک دن کے برابر ہے۔ اللہ تعالیٰ اس بڑے دن کے خوف سے بچائے۔ ایک دن سب نے اللہ سے ملنا ہے‘ لیکن جب ملنے جائیں تو ہمارے پاس اچھے اعمال ہوں۔ یہ نہ ہو کہ ہم ایک دوسرے سے منہ چھپاتے پھریں یہ دیکھتے ہوئے کہ ہمارے نامہ اعمال میں تو کچھ ہے ہی نہیں۔

انسانی زندگی کے چار درجات

سورۃ الحدید میں اللہ تعالیٰ نے انسانی زندگی کے چار مراحل بیان کیے ہیں۔ فرمایا:

﴿اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِیْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَیْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِی الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ ؕ كَمَثَلِ غَیْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ یَهِیْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ یَكُوْنُ حُطٰمًا ؕ وَفِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِیْدٌ ۙ وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ ؕ وَمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿۲۰﴾﴾

''خوب جان لو کہ یہ دنیا کی زندگی تو بس یہی کچھ ہے کہ کچھ کھیل تماشا ہے‘ کچھ زیب و زینت (بناؤ سنگھار) ہے‘ اور ایک دوسرے پر فخر جتانا ہے اور مال اور اولاد کو زیادہ سے زیادہ حاصل کرنے میں ایک دوسرے پر بازی لے جانے کی کوشش کرنا ہے۔ جیسے بارش سے اُگنے والی کھیتی کو دیکھ کر کاشتکار خوش ہو جاتے ہیں‘ پھر وہ کھیتی پک جاتی ہے اور تم دیکھتے ہو کہ وہ زرد ہو گئی ہے‘ پھر وہ بُھس بن کر ختم ہو جاتی ہے۔ (اس کے برعکس آخرت کی زندگی ہمیشہ رہنے والی ہے۔) اور آخرت کی زندگی میں شدید عذاب بھی ہے اور اللہ کی طرف سے مغفرت اور خوشنودی بھی۔ اور دنیا کی زندگی تو سوائے دھوکے

کے سامان کے کچھ بھی نہیں۔‘‘

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے انسانی زندگی کو چار مراحل میں بیان کیا ہے۔ پہلا مرحلہ بچپن اور لڑکپن کا ہے جو صرف کھیل تماشا میں گزرتا ہے۔ اس عمر میں کھیل کود کے علاوہ کوئی مقصد نہیں ہوتا۔ دوسرا مرحلہ جوانی کا ہے جب ظاہری دکھاوا‘ بناؤ سنگھار اور ظاہری ٹھاٹھ باٹھ انسان کا اہم مقصد بن جاتا ہے۔ تیسرے مرحلے میں انسان کیریئر بنانے کی پلاننگ کرتا ہے اور دن رات محنت کر کے دنیا کمانا اس کا مقصد بن جاتا ہے۔ چوتھے مرحلہ میں‘ جبکہ انسان کے پاس وقت تھوڑا رہ جاتا ہے مگر اس کی کوشش ہوتی ہے کہ اس مختصر وقت میں زیادہ سے زیادہ دنیا کما لے۔ ایک فیکٹری ہے تو دو ہو جائیں۔ پھر دنیا کی کمائی پر فخر جتانا اور دوسروں سے آگے بڑھنے کی کوشش کرنا۔ اللہ تعالیٰ نے اسی آیت میں انسان کی زندگی کے ان چار مرحلوں کو ایک بہت اچھی مثال سے بیان کیا ہے کہ یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے آسمان سے بارش ہوتی ہے‘ زمین کے اندر بیج اُگتا ہے‘ پھر کھیتی تیار ہوتی ہے اور کسان اس کو دیکھ کر خوش ہوتا ہے‘ پھر آہستہ آہستہ وہ کھیتی زرد ہونا شروع ہو جاتی اور بالآخر کاٹی جاتی ہے اور ایک دن آتا ہے کہ وہی کھیتی بُھس بن کر تنکوں کی صورت میں اڑتی پھرتی ہے۔

یہ دنیا کی زندگی کے بارے میں انتہائی اہم اور سبق آموز مثال ہے جو انسانوں کی راہنمائی کے لیے اللہ تعالیٰ نے خود قرآن مجید میں بیان کی ہے۔ لہٰذا ہمیں چاہیے کہ ہم اس اہم مثال کو مدِنظر رکھتے ہوئے کیریئر پلاننگ کریں۔ انسان کا لڑکپن تو کھیل تماشے اور بے فکری میں گزر جاتا ہے۔ عملی زندگی کا دورانیہ تقریباً ۳۵ سال بنتا ہے (یعنی ۱۵ سے ۵۰ سال کی عمر تک)‘ اگر اس عرصہ میں انسان نے اپنے اللہ سے رجوع کر لیا تو آخرت میں بہتر زندگی کا امکان ہے۔ لیکن اگر آخرت کو بھول کر صرف دنیا کو مدنظر رکھتے ہوئے زندگی گزار دی تو سمجھ لیجئے کہ جس طرح کٹی ہوئی کھیتی بھس بن کر بالآخر ختم ہو جاتی ہے اور اب اس کا کوئی مصرف نہیں رہتا‘ اسی طرح دنیا کی فکر میں گزاری ہوئی زندگی بھی بے وقعت اور بے کار گئی۔ اب اس کی ذرا بھر قیمت انسان کو موصول نہ ہوگی۔ جو کچھ دنیا میں تھا دنیا میں ہی رہ جائے گا اور آخرت میں بھی کچھ حاصل نہ ہوگا۔ جیسے ایک شخص کسی فلم میں بادشاہ کا رول ادا کرتا ہے لیکن اس کے بعد پروڈیوسر اس سے بادشاہ کا لباس بھی اُتار لیتا ہے کہ کھیل تو ختم ہو گیا‘ چلو اب لباس اُتارو۔ بالکل یہی مثال دنیا کی زندگی کی ہے۔ وقت ختم ہو گیا تو ہمارے کپڑے بھی اُتار لیے جاتے ہیں۔ (باقی صفحہ 62 پر)

داعیٔ قرآن ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کی چند فکر انگیز تالیفات

قرآن حکیم کی عظمت و تعارف اور حقوق و مطالبات جیسے علمی و عملی موضوعات پر 8 کتابوں کا مجموعہ

قرآنِ حکیم اور ہم

اشاعت خاص 450 روپے، اشاعت عام 300 روپے

عظمت مصطفیٰ ﷺ، مقصد بعثت، اسوۂ رسول ﷺ اور سیرت نبویؐ کے انقلابی پہلوؤں پر مشتمل مقالات کا مجموعہ

رسولِ اکرم ﷺ اور ہم

اشاعت خاص 450 روپے، اشاعت عام 300 روپے

سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں اسلامی انقلاب کے مراحل و مدارج اور لوازم

منہجِ انقلابِ نبوی ﷺ

مجلد 400 روپے، غیر مجلد 200 روپے

سیرت مطہرہ کے دل پذیر موضوع پر ڈاکٹر صاحب کی زندگی کے آخری خطابات کا مجموعہ

سیرتِ خیر الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام

صفحات 240، قیمت 180 روپے

اخلاص فی العبادت اور اقامتِ دین کی اہمیت و فرضیت، بعنوان:

توحیدِ عملی

سورۃ الزمر تا سورۃ الشوریٰ کی روشنی میں

اشاعت خاص 150 روپے، اشاعت عام 100 روپے

شرک کی حقیقت، اقسام اور دورِ حاضر کے شرک سے واقفیت کے لیے مطالعہ کیجئے

حقیقت و اَقسامِ شرک

اشاعت خاص 100 روپے، اشاعت عام 60 روپے

امت مسلمہ سے خطاب کے ضمن میں قرآن کی جامع ترین سورت

سُورۃُ الحدید

(اُمُّ المُسَبِّحات) کی مختصر تشریح

اشاعت خاص 300 روپے، اشاعت عام 150 روپے

خلافت کی حقیقت، تاریخی پس منظر، عہد حاضر میں اس کا ڈھانچہ اور اس کے قیام کے نبویؐ طریق پر مشتمل

خلافت کی حقیقت

اور عصرِ حاضر میں اس کا نظام

اشاعت خاص 200 روپے، اشاعت عام 120 روپے

مکتبہ خدام القرآن 36-K ماڈل ٹاؤن لاہور

فون 3-35869501 (042)

ای میل maktaba@tanzeem.org ویب سائٹ www.tanzeem.org

احادیثِ رسول ﷺ کے سدا بہار گلستان

نذر حیات خان ☆

قرآن کریم سرچشمۂ ایمان وایقان‘ معدنِ علم وحکمت‘ مہیمن کتب سماوی اور لازوال ابدی معجزہ ہے۔ ہر قسم کی ترمیم وتنسیخ اور حک واضافہ سے پاک‘ غیر متبدل‘ محکم‘ ہر زیغ وعوج سے مبرّاء‘ باربط اور مربوط کتاب الٰہی اور دین اسلام کی بنیاد ہے۔ باقی سارے علوم اس کے خدام کی حیثیت رکھتے ہیں۔ لاریب یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا قول ہے جو زبانِ حق ترجمان سے نشر ہوا۔ سنتِ رسول ﷺ اس قرآن کریم کی تشریح وتعبیر اور اس کا عملی روپ اور اظہار ہے۔ لہٰذا یہ امر شک وشبہ سے بالاتر اور روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ اس قول وفعل سے ہی دینِ فطرت ’الاسلام‘ تشکیل پاتا ہے۔ احادیث رسول ﷺ سنتِ رسول کا سرچشمہ اور قرآن کریم کے کلامِ الٰہی ہونے پر شاہدِ عادل ہیں۔ انہیں اس لیے بھی اہمیت اور حجت حاصل ہے کہ یہ بھی اسی زبانِ قدس سے ارشاد فرمائی ہوئی ہیں جس نے قرآن کو قرآن کریم کی حیثیت سے پیش کیا اور انہی ذرائع سے ہم تک پہنچی ہیں جن سے قرآن کریم ہمیں ملا ہے۔ قرآن کریم کی حفاظت کا سامان خود ربّ کائنات نے فراہم کیا۔ عملاً حفاظ کے سینے کھول دیے اور امت کو بحیثیت مجموعی قرآن کریم سے اس طرح قدرتی لگاؤ بخش دیا کہ حفظِ قرآن کو سعادتِ عظمیٰ سمجھا جاتا ہے۔

جنگِ یمامہ میں حُفّاظ صحابہ کرام ؓ کی کثیر تعداد کے شہید ہونے سے اکابر صحابہؓ خصوصاً حضرت عمر فاروق ؓ کو ربّ کریم نے شرحِ صدر عطا فرمایا کہ جمع وتدوین قرآن کی ظاہری صورت اور ضرورت محسوس ہوئی‘ اور پھر پیکرِ صدق وصفا‘ جانشینِ رسولِ خدا حضرت صدیق اکبر ؓ کی راہنمائی میں صحابہ کرام ؓ کے اجماعی فیصلے نے یہ فریضہ بھی باحسن سرانجام دے کر قیامت تک آنے والی انسانیت پر احسان کیا اور امت کو ایک کتاب پر جمع فرما دیا۔

مزید برآں ربّ کائنات نے سرورِ عالم ﷺ کی زبانِ اقدس سے نکلنے والے انمول

☆ ہیڈ ماسٹر‘ محلہ لیویاں والا‘ خوشاب۔ موبائل: 0300-6075804

ہیروں‘ آپ ؐ کے معمولاتِ زندگی کو محفوظ کرنے اور آپؐ کے ہر قول وفعل کو جمع کرنے کی طرف امت کا رجحان بیدار کر دیا اور اس کی حفاظت وصیانت اور سلسلہ اسناد کا شعور بخشا۔ چنانچہ شخصی بادشاہتوں اور ملوکیت کے جبر واستبداد کے باوجود حریت علم وفکر کے مجاہدوں نے علومِ حدیث کی تدوین کا لازوال کارنامہ ایسے سرانجام دیا کہ یہ ربّ کریم کے اپنے دین اسلام کے حفاظتی نظام ہی کا حصہ لگتا ہے۔ کائنات کا جملہ نظام اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے‘ اس کے اختیار میں کسی کو دَم مارنے کی مجال نہیں۔ دوسری اشیائے فطرت کو اُس نے اپنے لازوال اور ابدی قوانین کی زنجیروں میں جکڑ دیا ہے‘ کوئی اس سے سرِمُو انحراف نہیں کر سکتا‘ کسی میں یارائے سرکشی اور مجالِ سرتابی نہیں۔ لیکن انسانی دنیا میں طبیعی معاملات میں تو انسان قوانین فطرت کی پابندی کر کے ہی زندہ رہ سکتا ہے‘ البتہ معاشرتی معاملات میں اسے شعوری صلاحیتوں سے بہرہ ور کیا گیا ہے اور یہاں یہ سب کچھ انسانوں کے اپنے ہاتھوں سرانجام پاتا ہے۔ قرآنی تعلیمات اور تاریخ عالم کا ہر ورق گواہ ہے کہ اگر اللہ کریم چاہتا تو نظام ہائے باطلہ کو خود ہی صفحۂ ہستی سے مٹا دیتا‘ انہیں جنم ہی نہ لینے دیتا‘ انہیں کبھی پنپنے نہ دیتا‘ لیکن خداوند کریم کی مرضی ہے کہ یہ کارنامہ مؤمنوں کے ہاتھوں سرانجام پائے۔ اسی طرح قرآن وحدیث کی حفاظت کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب بندوں سے ہی کام لیا تاکہ ان کی عظمت عالم آشکار ہو اور وہ دوسروں کے لیے نمونہ عمل بنیں۔

’الاسلام‘ کی عالی شان اور رفیع القدر پاکیزہ عمارت کا نقشہ قرآن کریم ہے اور سنت رسول ﷺ اس نقشے کے مطابق عمارت کا ظاہری پیکرِ خوش نما ہے۔ اس عمارت میں شریعت و طریقت کے مختلف گوشے ہیں جو باہم مربوط اور ایک دوسرے سے ہم رنگ وہم آہنگ ہیں۔ قرآن کریم انسان کو منزلِ مقصود تک پہنچانے کا طریقہ کار دیتا ہے۔ وہ اصول وضوابط اور قوانین عطا فرماتا ہے جن پر عمل پیرا ہو کر جانبِ منزل جادہ پیمائی کرنی ہے‘ جبکہ سنتِ رسول ﷺ اس راستے پر چلنے کا زادِ راہ اور ذرائع واسباب مہیا کرتی ہے‘ جس کی مدد سے قرآن کریم کی دکھائی ہوئی شاہراہِ حیات پر سفر کرنا ہے۔ قرآن کریم نظریہ اور سوچ دیتا ہے جب کہ سنت رسول ﷺ اس نظریہ اور سوچ کا جیتا جاگتا عملی نمونۂ اظہار اور اسوۂ کامل ہے۔ اس لیے جب بھی اسلام بحیثیت دین سمجھا جاتا ہے تو کتاب وسنت وحدت کی صورت میں ہی اس کا سرچشمہ قرار پاتے ہیں۔ قرآن کریم روشنی ہے‘ اس کو دیکھنے‘ سمجھنے والی شعوری آنکھ حدیث رسول ﷺ

ہے۔ قرآن کریم روح ہے تو اس کو دنیاوی پیکر اور لباسِ جسم حدیثِ رسول ﷺ فراہم کرتی ہے۔ قرآن کریم سرچشمہ توانائی ہے تو اس کا اظہار مختلف روپ میں احادیث رسول ﷺ کے ذریعے ہی ہوتا ہے۔ اس لیے جن لوگوں نے اپنے ضمیر اور ایمان شیطان کے ہاتھوں فروخت کر دیے ہیں سوائے ان کے باقی سب تسلیم کرتے ہیں کہ حدیثِ رسول ﷺ عملی نمونہ اور طریقہ زندگی عطا کرتی ہے جس کی بنیاد اور اساس قرآن کی ازلی وابدی تعلیمات ہیں۔ کور باطن اور کورچشم ہی اس سے انکار کر سکتے ہیں۔

ہمارے محدثین کرام نے اپنی کتابوں میں احادیث کو جس ترتیب سے جمع فرمایا ہے وہ ترتیب کہیں کہیں مختلف ہے۔ دراصل یہ ایک انسانی معاشرے کی زریں مثال ہے جس میں سامانِ زندگی تو ہر گھر میں تقریباً ایک جیسا ہوتا ہے' لیکن سب میں رکھنے کا سلیقہ' ترتیب اور طریقہ اپنے اپنے ذوق اور ضرورت کے مطابق مختلف ہوتا ہے اور یہ سب خوبصورتی اور حسن و جمال کو مدنظر رکھ کر ہی ترتیب دیا جاتا ہے۔ جیسے ہر گھر کا نقشہ مختلف ہوتا ہے' اس میں لوازماتِ زندگی کی ترتیب اپنے اپنے ذوق اور ظرف کے مطابق ہوتی ہے' اس میں تزئین و آرائش' رنگ و روغن ان کے مالکان اور مکینوں کی وسعت و استطاعت اور ان کے حوصلے کا اظہار کرتے ہیں۔ گھروں میں کمروں کی تعداد' ان کا نقشہ اور ان میں رکھے ہوئے سامان کی ترتیب مختلف ہونے کا مطلب یہ تو نہیں ہے کہ گھروں کی حیثیت ہی تسلیم نہ کی جائے۔ اسی طرح ہر ایک جامع احادیث نے احادیث کا گلستان سجایا ہے' لیکن اس میں مدنی پھولوں اور پھلوں کو ترتیب اپنے اپنے ذوق کے مطابق دی ہے' جس سے تنوع پیدا ہوا اور خوبصورتی میں اضافہ ہوا۔ ہر ترتیب دوسرے سے لاجواب اور باکمال ہے' جس کو دیکھیں صد ہا رنگوں کی لازوال اور مسکراتی بہار کا سماں پیش کرتی ہے۔

صحیح البخاری

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے گلستانِ حدیث کی ترتیب میں خالق کائنات کی اس نعمت عظمیٰ کو مقدم رکھا ہے جو شرفِ انسانیت کی دلیل اور توازن بدوش زندگی بسر کرنے کی سبیل ہے۔ جو خالق کائنات سے مخدومِ خلائق اور مسجودِ ملائک انسان کے ربط و تعلق کا ذریعہ ہے' یعنی وحی باری تعالیٰ۔ 'کتاب الوحی' سے آغازِ کتاب فرمایا کہ انسان کو جنت سے الوداع کرتے وقت وعدہ فرمایا گیا تھا کہ میری طرف سے میرے ہادی میرا پیغام اور میری ہدایت لائیں گے۔ جو بھی اس

کی پیروی کرے وہ ہر قسم کے خوف و حزن سے مامون رہے گا اور شاہراہِ حیات پر بلا خوف و خطر ارتقاء کی منازل طے کرتا جنت گم گشتہ کو پالے گا اور خالق کائنات کے جمال و جلال اور اس کے وصال سے سرفراز ہوگا۔

پھر اس ہدایت کے ابدی سرچشمے وحی کی تعلیمات پر کامل شعور کے ساتھ ایمان لانے کی دعوت ہے' اس لیے 'کتاب الایمان' کو زینتِ قرطاس بنایا ہے۔ چونکہ عرفانِ حق ہی حقیقی علم ہے اس لیے حصولِ علم اور اس کے حاملین کے مقام و مرتبہ سے آگاہی کے لیے 'کتاب العلم' کی روشنی سے قلب و نظر کو منور کیا گیا ہے۔ جب علمی بنیادوں پر علیٰ وجہ البصیرت ایمان کی لذت و حلاوت کی نعمتِ عظمیٰ نصیب ہو جائے تو اس مقصدِ جلیلہ کے حصول کے لیے سرگرم عمل ہونا ہے جو وجہ تخلیق انسانیت ہے' یعنی رب تعالیٰ کے حضور عبودیت کا عجز و نیاز پیش کرنا۔ چنانچہ 'طہارت' کے تمام لوازمات کے بعد کتاب الصلوٰۃ' کتاب الزکوٰۃ' کتاب الصوم اور کتاب الحج کے ابواب بیان فرمائے ہیں اور وہ سارے طریقہ ہائے عبادت اسوۂ رسول ﷺ کی روشنی میں دکھائے ہیں جس سے مقصدِ تخلیق انسانی کو پورا کرنے میں سہولت رہے۔ ان عبادات کے ہر ہر پہلو اور ہر ہر گوشے کو اجاگر کرنے کی سعی مشکور فرمائی ہے۔

چونکہ جملہ عبادات پر عمل جسم و جان کے ذریعے کرنا ہے تو ان کا رشتہ برقرار رکھنے کے لیے حصولِ رزق اور اس کے جائز طریقوں سے متعلق اسوۂ رسول ﷺ سے ظلمت خانہ جہاں کو روشن و تابناک کیا اور **الکفالۃ، الوکالۃ، الحرث والمزارعۃ، الشرکۃ، الرھن، الشھادات، الصلح، الشروط** اور **الوصایا** کے ابواب لاکر کوئی پہلو تشنہ نہیں چھوڑا۔ چونکہ یہ بڑے مشکل راستے اور زندگی کے کٹھن مراحل ہیں' اس پل صراط سے سلامتی سے گزرنے کے لیے روحانی' بدنی اور مالی جہاد کرنا پڑتا ہے اس لیے 'کتاب الجہاد' کے ذریعے جہاد کے فضائل اور مجاہد کے مقام و مرتبہ اور اس کی حیاتِ ابدی اور اخروی انعامات کو وجہ تسکینِ خاطر بنایا۔ انسان اپنی معیشت و معاشرت کیسے سنوارے اور جُہدِ مسلسل سے علم و ایمان کا بذریعہ وحی بخشا ہوا یہ سلسلہ عبودیت کے تمام تر عجز و نیاز کے ساتھ دوام کیسے حاصل کرے تو اس کے لیے اپنی اور کائنات کی ابتدا اور اس میں انسانوں کی راہنمائی کے لیے جاری ہونے والے سلسلہ نبوت و رسالت سے آگاہی ضروری ہے۔ اس کے لیے 'کتاب بدء الخلق' اور 'کتاب الانبیاء' میں حقائق بزبانِ رسول ﷺ پیش کیے گئے ہیں۔

اب یہ حقیقت ہے کہ تمام تر اعمال کی قبولیت کا انحصار سنت رسول ﷺ کی پیروی میں ہے' اس کے لیے اسوۂ رسول ﷺ کے پہلے شاہدین کا کردار اجاگر کرنے کے لیے اور ان کی بے مثال قربانیوں کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لیے 'کتاب المناقب' میں ہدایت کے مینار ہائے بلند اور تابناک ستاروں کی روشنی سے قلب ونظر کو منور کیا ہے۔ جو کتابِ مبین ان ساری صداقتوں کی امین' محافظ اور مہیمن ہے اس کی سورتوں کے فضائل اور ان کے حقیقی مفہوم و مراد کو عیاں کرنے کے لیے 'کتاب التفسیر' میں متعلقہ روایات جمع کر دی گئی ہیں۔

زندگی کی خوشگواریاں زیادہ تر ازدواجی زندگی سے وابستہ ہوتی ہیں' ان خوشگواریوں کو سمیٹنے کے لیے انہیں قوانین وضوابط میں پابند کرنے کی ضرورت ہے۔ اس لیے 'کتاب النکاح' اور 'کتاب الطلاق' میں ان کو سمویا گیا ہے۔

زندگی کے بعض نازک لمحات میں جذبات اُبھر کر گوشہ چشم کو تر کر دیتے ہیں۔ یہ رقیق القلبی اور نرم دلی تو خاصہ انسانیت ہے۔ 'کتاب الرقاق' میں ان جذبوں کی تسکین کا سامان فراہم کیا گیا ہے۔ صحت اور تندرستی' ربّ تعالیٰ کی طرف سے بخشی ہوئی لازوال دولت اور نعمت ہے' اس کو برقرار رکھنے کے لیے طبیب حقیقی کی ہدایات 'کتاب الطب' میں بیان فرمائی ہیں۔ معاشرتی زندگی کا حسن معاشرے میں حسنِ معاشرت اور باہم حسنِ معاملہ میں ہے' اس کے لیے 'کتاب الادب' اور 'کتاب الدعوات' میں تمدنی زندگی کے سنہری اصولوں کو جگمگایا ہے۔ اور چونکہ یہ سب کچھ خالق کائنات کے بنائے ہوئے لازوال اور ابدی قوانین کی بدولت ہے اور اشیائے فطرت کو تو ان کا پابند کیا گیا ہے لیکن انسانوں کو شعوری صلاحیت دے کر پابندی کرنے کی ہدایات ہیں' چنانچہ ان حقائق کو 'کتاب القدر' میں سمویا گیا ہے۔

معاشرتی زندگی میں معاشرے کی اصلاح کے لیے ہر ایک کو اپنے فرائض ادا کرنے ضروری ہیں اور جو لوگ معاشرے میں فساد برپا کریں ان کے ناسور سے معاشرے کو بچانا ضروری ہے۔ اس کے لیے کتاب الفرائض' کتاب الحدود' کتاب الفتن اور کتاب الاحکام میں قیمتی گوہر ونوادر جمع کر دیے ہیں۔ مرتدین' معاندین اور اہل کفر ورڈ کو پہچاننا کیسے ہے اور ان سے کیا معاملہ کرنا ہے' اس سلسلے میں اسوۂ رسول ﷺ پیش کیا ہے۔ آخر میں بتایا ہے کہ سارا نظام باہم متحد ہو کر چلنے سے ہی قائم رہ سکتا ہے۔ اتحاد کی تلقین اور اس ضابطہ حیات پر باہم مل کر چلنے کے لیے 'کتاب الاعتصام' کا بیان ہے۔ اور پھر یاد دہانی کے لیے بتایا ہے کہ اسلام تو رب تعالیٰ

کو ربّ حقیقی ماننے اور اسے واحد تسلیم کرنے کا نام ہے' اس لیے گویا خلاصے کے طور پر 'توحید' پر اختتام ہے اور ساتھ ہی گمراہ گروہوں کا رد بھی ہے۔

امام بخاریؒ کا سجایا یہ چمنستان اپنی ترتیب اور جامعیت کے لحاظ سے حسن و جمال کی ایک مچلتی و مسکراتی مکمل آباد دنیا کا سامان لیے ہوئے ہے' جس کا ہر نظارہ دل خوش کن اور باعثِ موجبِ راحتِ جان ہے۔ زندگی کا ہر حسین نقشہ اس میں سمویا گیا ہے۔ اس وجہ سے اس گلستان کا نظارہ کرنے والوں نے اپنی نگاہیں عقیدت واحترام سے اس کے حضور جھکا دی ہیں' اسی لیے تو اسے ''اصحّ الکُتُب بعدَ کتابِ اللّٰہ'' قرار دیا جاتا ہے۔

صحیح مسلم

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے 'کتاب الایمان' سے اپنی جامع کا آغاز فرمایا ہے۔ ان کے مبارک تصور کے مطابق صداقتوں کو پہلے تسلیم کر کے روحانی طور پر زندگی کی بالیدگی' آسودگی اور پاکیزگی حاصل کرنا مقصود ہے۔ اس کے لیے جسم و بدن کی پاکیزگی وصفائی بھی ضروری ہے' چنانچہ وہ 'کتاب الایمان' کے بعد ساتھ ہی 'کتاب الطہارۃ' لائے ہیں۔ جب جسم و جان ہر آلودگی سے پاک صاف ہو جائیں تو عبودیت کے لیے بارگاہِ الٰہی میں عجز و نیاز کے ساتھ سجدہ ریز ہونا ہے۔ اس لیے وہ بعد میں کتاب الصلوٰۃ' کتاب الصوم' کتاب الزکوٰۃ اور کتاب الحج میں عبادات کو یکسوئی' لگن اور پورے لوازمات کے ساتھ ادا کرنے کے لیے احادیث رسول ﷺ لائے ہیں۔

جب بندہ ان عبادات سے کمال بندگی کا ثبوت مہیا کر دیتا ہے اور اطاعتِ خداوندی کا جذبہ ہر امر کے لیے اپنے اندر زندہ کر لیتا ہے تو پھر معاملاتِ زندگی میں ربّ تعالیٰ کے احکامات پر چلنا آسان ہو جاتا ہے۔ وہ پھر ایسا معاشرہ تشکیل دے پاتا ہے جہاں اسلامی اصول وضوابط پر عمل ہوتا ہو۔ اس لیے کتاب المعاملات اور معاشرت پیش فرمائے ہیں۔ پھر قدر' علم وذکر' توبہ اور زہد کا بیان اسی تسلسل میں ہے۔ ساتھ ہی معاشرے کے ناسور منافقین کا ذکر ہے اور دیگر تمام فتنوں کی نشان دہی کر کے ان سے بچنے کا راستہ سامنے لایا گیا ہے۔ پھر اس معاشرے کو دوام بخشنے کے لیے مزید ارتقائی منازل طے کرنے کے لیے تزکیہ نفس کے لیے ابواب باندھے گئے ہیں۔

متوازن معاشرتی زندگی کے لیے خانگی معاملات کی درستی کو کلیدی حیثیت حاصل ہے۔ اس زندگی کو اصول وضوابط کی پابندی میں رکھنے کے لیے نکاح' طلاق' رضاعت' لعان کے متعلق

ارشاداتِ نبوی ﷺ سے قرطاس کو معطّر اور انسانی دل و دماغ میں اجالا کیا گیا ہے۔ انسانی مزاجوں کے اختلاف کے سبب باہمی تنازعات پیدا ہونا بھی فطری امر ہے۔ جو معاشرہ ان کو حل کرنے کی صلاحیت سے بہرہ ور ہو اُسے ہی قیام و دوام نصیب ہوسکتا ہے۔ اس کے لیے نذور و اَیمان‘ قصاص‘ دیات اور حدود کا بیان ہے۔ پھر اس معاشرے کو بیرونی و اندرونی خطرات و حوادث سے بھی سابقہ پڑسکتا ہے۔ اس کے مقابلے کے لیے جانی و مالی جہاد کی ضرورت ہوتی ہے‘ اس کے لیے ’کتاب الجہاد‘ میں جہاد کی ضرورت‘ اہمیت اور فضیلت بیان کی گئی ہے۔ قرآن کریم کو اپنی زندگی کا مرکز و محور بنانے اور زندگی کی تاریک راہوں کو منور کرنے کے لیے اسے عملاً اپنانے کے لیے قرآنی سورتوں کے فضائل اور ان کی تفسیر بیان ہوئی ہے تاکہ ان سورتوں سے ہدایت لی جاسکے اور انہیں عملی زندگی میں چراغِ راہ بنایا جاسکے۔

ذرا غور کریں تو یہ حقیقت نکھر کر اور نمایاں ہو کر سامنے آجاتی ہے کہ امام مسلمؒ کی یہ ترتیب بھی لاجواب ہے اور انسانی معاشرتی تقاضوں کی تسکین پوری کرتی نظر آتی ہے۔ اس کا مطالعہ اور اس سے استفادہ ربّ تعالیٰ کے قرب کا مستند ذریعہ ہے۔ اس لیے صحیح مسلم شریف کو بعض محدثین نے بخاری شریف پر ترجیح دی ہے۔ ہم جیسے ہدایت کے متلاشیوں کے لیے دونوں ایک جیسے چراغ ہیں اور دونوں سے یکساں طور پر فیض حاصل کیا جاسکتا ہے‘ کیونکہ دونوں میں روشنی کا سرچشمہ تو ایک ہی ذاتِ گرامی ﷺ ہے۔

سنن الترمذی

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا دیوانِ احادیث تشکیل ہی صاحبِ ایمان لوگوں کے لیے دیا ہے۔ اس لیے وہ ایمان والوں کے لیے پہلے عبادات اور پھر معاملاتِ معاشرت و معیشت کو بیان فرماتے ہیں۔ انسان کی انسانیت کی پہچان اس کے طرزِ زندگی سے جھلکتی ہے۔ لباس اور خوراک انسان کی بقاء کے لیے بنیادی ضروریات ہیں‘ اس کے حصول کے لیے سلیقہ اور طریقہ ہی اس کے مہذب ہونے کی دلالت کرتا ہے‘ اس لیے ’ابواب الاطعمۃ واللباس‘ لاکر اس ضمن میں ہدایاتِ نبوی ﷺ جمع فرمائی ہیں۔ نیکی و صلہ رحمی کی حقیقت ’ابواب البِرّ والصِّلۃ‘ میں اس طرح اُجاگر کی ہے کہ روح جھوم جاتی ہے اور شعور میں نیکی و بھلائی کا حقیقی تصور جاگزیں ہو جاتا ہے۔ پھر ’فرائض ووصایا‘ کا بیان ہے۔ خواب دیکھنا تو انسان کی فطرت کا خاصہ ہے۔ ’ابواب الرؤیا‘ میں ان کی حقیقت اُجاگر کی گئی ہے۔ اچھی صحت و سلامتی ہر انسان کی

خواہش ہوتی ہے۔ ’ابواب الطب‘ میں طب نبوی ﷺ کو بیان فرمایا گیا ہے۔ زہد و تقویٰ انسان کی روح کا لباس ہے‘ اس سے متعلق ابواب ہیں۔

آخر میں ’ابواب الایمان‘ اور ’ابواب العلم‘ کو لایا گیا ہے۔ یہاں مقصد یہ نظر آتا ہے کہ جو جو عبادات انسان بجالاتا ہے اور جن جن معاملات کو زندگی میں سرانجام دیتا ہے عنداللہ مقبولیت کا انحصار ان تمام امور کا ایمان کے ساتھ بجالانے پر ہے‘ اس کا کما حقہٗ علم ہونا ضروری ہے۔ تزکیۂ نفس و اصلاحِ باطن کے لیے قرآن کریم کی سورتوں کے فضائل اور ان کی نبوی تفسیر ہے۔ اللہ کریم سے مانگنے کا سلیقہ سکھانے کے لیے ’ابواب الدعاء‘ ہیں اور اس کے مقبول بندوں کے حالات اور واقعات بیان فرمائے گئے ہیں۔

آخر میں وہ لاجواب جہانِ عقیدت و محبت ہے جو امت کا ہمیشہ سے مرکز و محور رہا ہے۔ صاحبانِ دل اس لیے بخاری و مسلم سے زیادہ ترمذی شریف پر خیمہ زن ہوتے ہیں کہ یہاں محبوبِ ربِ کبریا ﷺ کی دل افروز ادائیں‘ آپؐ کے رخِ انور کی تابانیاں‘ روئے انور کی جلوہ فرمائیاں اور آپ ﷺ کے دلربا خصائص بیان ہوئے ہیں۔ سرورِ کائنات ﷺ کی تعریف و ثنا ہمیشہ سے ہر ایک مؤمن کا شعار رہا ہے۔ ادیبوں نے ادب کے موتی چُن دیے‘ دانشوروں نے دانش کے دریا بہا دیے۔ شاعروں نے مبالغہ آرائی کی اپنی طرف سے حد کر دی لیکن اس مہبط حسن ازلی کی رعنائیوں کا احاطہ کرنے سے قاصر رہے۔ جن کے پرتوِ جمال آفریں سے ہر ذرہ رشک طور سینا بن جاتا ہے‘ جن کے خوانِ کرم سے حسن کی خیرات تقسیم ہوتی ہے‘ ان کی تعریف و ثنا کا کوئی حق ادا کر ہی نہیں سکتا۔ ان کی نبوت و رسالت انسانوں پر اللہ کریم کا احسانِ عظیم ہے۔ سنن الترمذیؒ کے جامع کو اس باب میں بے ساختہ خراجِ تحسین پیش کرنے کو جی چاہتا ہے جنہوں نے آپ ﷺ کے شمائل و خصائل کو یکجا کرنے کی سعی مشکور فرمائی ہے۔ یہ حصہ اس کتاب کی ترتیب کا حاصل اور نچوڑ ہے تو غور فرمایئے کہ اس سے بڑھ کر حسنِ ترتیب اور کیا ہوسکتی تھی یا ہوسکتی ہے۔ اس گلستانِ احادیث میں جہاں بھی جاؤ گے بہار ہی بہار نظر آئے گی۔ مشک و عنبر سے لبریز معطر فضاؤں میں سانس لینا نصیب ہوگا۔

سنن النسائی

سنن نسائیؒ میں ’کتاب الطہارۃ‘ کے بعد عبادات سے متعلق سرورِ کائنات ﷺ کی سنن کا ایمان افروز بیان ہے۔ پھر معاشرتی زندگی کی اکائی خانگی امور کے حوالے سے طلاق و نکاح

کے متعلق احادیث ہیں۔ پھر جہاد کی ترغیب ہے۔ وصایا' ہبہ' نذور وشروط' مالِ فے کی تقسیم کے مسائل کی حامل احادیث مبارکہ کو جمع کیا گیا ہے۔ شکار اور ذبیحہ کے بعد 'کتاب البیوع' میں تجارت کے اصول وضوابط کی حامل احادیث ہیں۔ اس ضمن میں قطع الید کا تذکرہ بھی ہے۔ پھر 'کتاب الایمان' ہے' آرائش و زیبائش سے متعلقہ ہدایات ہیں۔ فطرت کا بیان ہے اور معاملات کو سلجھانے اور بنانے کے لیے 'آداب القاضی' بیان فرمائے ہیں۔ آخر میں اللہ تعالیٰ سے ہی سب امور میں پناہ مانگنے کا سلیقہ سکھایا ہے۔ ساتھ ہی شراب جیسی اُمّ الخبائث کی حرمت بیان کی ہے۔

سنن ابی داؤد

سنن ابی داؤدؒ میں تقریباً سنن نسائی جیسی ہی ترتیب ہے' چند ایک ابواب مختلف ہیں۔ کتاب الطہارۃ کے بعد عبادات سے متعلق ابواب ہیں۔ پھر نکاح وطلاق کے بیان کے بعد جہاد' الضحایہ' الصید اور الوصایا کے ابواب ہیں۔ پھر کتاب الایمان ہے۔ اس کے بعد بیوع اور قضایا کے حوالے سے فرامین رسول ﷺ ہیں۔ کتاب العلم کے بعد خوراک اور طب سے متعلق ہدایات ہیں۔ حروف وقراءت کی درستی کے لیے روایات جمع کی گئی ہیں۔ پھر حمام ولباس کا تذکرہ' فتن وملاحم اور معاشرے میں خوشگواری کے لیے سلامتی کی فضائیں بذریعہ سلام ودُعا عام کرنے کا بیان ہے۔

سنن ابن ماجہ

امام ابنِ ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب کا آغاز اس بات سے فرمایا کہ پیروئ سنتِ رسول ﷺ ہی دُنیوی فلاح واخروی نجات کا مستند ذریعہ ہے' لیکن اس ضمن میں یہ وعید بھی سنائی ہے کہ رسالت مآب ﷺ سے کوئی جھوٹ منسوب نہ ہو۔ وضعِ حدیث کے فتنہ کی سرکوبی اس لیے ضروری ہے کہ صحیح احادیثِ رسول ﷺ کا چشمہ صافی ہر قسم کے عیب ونقص اور ملاوٹ سے پاک رہے۔ خواہشاتِ نفسی کی پیروی مسلمان کا شیوہ نہیں ہوسکتا' اس لیے رائے اور قیاس سے بچنے کی تلقین ہے۔ ایمان اور تقدیر کے بیان کے بعد جماعتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے فضائل ہیں جن کے ذریعے یہ دین برحق ہم تک پہنچا اور پھر مردہ سنت کو زندہ کرنے کا ثواب بیان فرمایا گیا ہے۔ تعلیم قرآن اور علماء کی فضیلت کا بیان ہے جنہوں نے کمال کاوشوں سے اس ضابطہ رب تعالیٰ کی

تبلیغ وتدوین کا حق ادا کر دیا۔ اس کے بعد کتاب الطہارۃ اور عبادات کا تذکرہ ہے۔ باقی ترتیب دوسری کتابوں جیسی ہے' البتہ زہد سے متعلقہ باب آخر میں لایا گیا ہے کہ زاہدانہ زندگی ہی ہر مسلمان کا مطمح نظر ہونی چاہیے۔

انسان خالقِ کائنات کے حسنِ تخلیق کا شاہکار ہے۔ ربّ ذوالمنن نے بزمِ کائنات سجا کر انسان کو شعور سے نواز کر مخدومِ خلائق اور مسجودِ ملائک صاحب ادراک بنا کر رونق جہان بنایا' گیسوئے کائنات کو سنوارنے کے لیے اسے تسخیر فطرت کی صلاحیتوں سے بہرہ ور کیا۔ پھر وحی کے درخشاں سلسلے کے ذریعے جہاں گرد کی بجائے جہاں دیدہ اور جہاں گیر بننے کی طرف راہنمائی فرمائی۔ خیر وشر میں تمیز کر کے کسی ایک کو اپنانے یا رد کرنے' اصلاح اور فساد کی پہچان کر کے کسی ایک کو پسند یا ناپسند کرنے' حق وباطل میں تفریق کا شعور حاصل کر کے کسی ایک کو رد یا قبول کرنے' حسن وقبح کو دیکھ کر کسی ایک کو ہدفِ نگاہ اور نصب العین بنانے کا اختیار دیا۔ بلوغتِ انسانی کے مرحلے پر تاجدارِ ختمِ نبوت ﷺ کے ذریعے صراطِ مستقیم کی قیامت تک نشان دہی کے لیے آخری پیغام بشکل قرآن کریم سے انسانوں کو شرف بخشا۔ تکریم وشرفِ انسانیت اور تکمیل آدمیت کے لیے اب اسی چشمہ یزدانی سے فیض یاب ہونا ہے۔ اسی آبِ حیات کے نوش کرنے پر حیاتِ جاودانی کا حصول ممکن ہے۔

خلاصۂ کلام

قرآن کریم کے بیان فرمودہ اصولوں پر آسانی سے عمل کرنے کے لیے سرورِ عالم' صاحبِ جود وسخا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے کامل اسوۂ حسنہ کا ورثہ امت کے لیے چھوڑا۔ امت کے محدثین نے انتہائی لگن اور جانفشانی سے اس وراثت کو اس طرح مدوّن اور محفوظ فرمایا کہ عقل انسانی سوچ کر حیران ہو جاتی ہے۔ صحاحِ ستہ اور دیگر کتب احادیث اسی اُسوۂ حسنہ کا تحریری ریکارڈ ہے۔ انسان کی داخلی اور خارجی کیفیات کی تسکین اور روحانی ضروریات کی تکمیل کے لیے یہ ذخیرۂ علم وحکمت سرمایۂ حیات ہے۔ اس میں فرد کی انفرادی سے لے کر اقوام کی اجتماعی ہر ضرورت کے لیے مکمل ہدایت موجود ہے۔ ذاتی اور اجتماعی زندگی کا کوئی گوشہ اس میں تشنہ نہیں چھوڑا گیا۔ کورِمادرزاد کو نورِ آفتاب نظر نہ آئے تو آفتاب کی عالم تابی معدوم نہیں ہوتی۔ ہر روشن ضمیر کی بصارت وبصیرت اس سرمدی وابدی چشمہ فیض سے فیض رسانی کی گواہی دے گی۔ یہ دنیوی فوز وفلاح کا نسخہ کیمیا بھی ہے اور حیاتِ ابدی کی جاں فزا راحتوں اور

رنگینوں کی نوید بھی ہے۔

محدثین کرام رحمۃ اللہ علیہم کا امتِ مسلمہ پر خصوصاً اور جملہ انسانوں پر عموماً احسان عظیم ہے کہ انہوں نے زندگی کی تاریک راہوں کو چراغِ مصطفوی ﷺ سے روشن کیا۔ یہ ان کی کمال دیانت داری تھی کہ انہوں نے قرآن کریم کو ہر قسم کے اختلافِ لفظی ومعنوی سے پاک رکھا اور اس کی تبیین وتشریح کا عملی نمونہ محفوظ کیا۔ اب صداقت جہاں کہیں بھی ہے اسی محنت کی مرہونِ منت اور اس کا فیض ہے۔ جب تک مسلمان کتاب وسنت پر عمل پیرا رہے دشت ودریا' آبادیاں اور صحرا سب کو مسخر کرلیا' وسعتِ افلاک میں ان کی تکبیر مسلسل گونجتی رہی۔ اور یہ صرف ربّ کائنات کے پیامبر اعظم ﷺ کی تعلیمات سے ہی ممکن ہے۔ تنہا عقل انسانی کی کرشمہ سازیوں اور سائنسی علوم وفنون کی نادرۂ روزگار اختراعاتِ جمیلہ نے بظاہر تہذیب وتمدن کا قصرِ عالی شان تعمیر کرلیا ہے لیکن اس کے مکینوں کی آہوں اور سسکیوں اور دلی اضطراب نے اسے جہنم کدہ بنایا ہوا ہے۔ بے سکونی و بے چینی کی عالمی فضا میں ہر فردِ بشر مجمع انسانی میں تنہا نظر آتا ہے۔ اس کا علاج وہی آبِ نشاط انگیز ہے جس کا چشمہ چودہ صدیاں قبل حرا کی خلوتوں اور حریم کعبہ کی مقدس جلوتوں میں جاری ہوا تھا۔

آج دنیا جس روحانی کرب میں مبتلا ہے اس کا علاج وہی آبِ زم زم ہے جو سرزمین مکہ میں جاری وساری ہے۔ انسانوں کو ابدی سکون اور دائمی فوز وفلاح کے لیے جس عالمگیر نسخہ شفا کی ضرورت ہے وہ دامن مصطفوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے سرمدی شفاخانے میں دستیاب ہے۔ انسان وحی سے بالاتر ہوکر جو نظریہ بھی اپنائے گا اور اس پر نظام تمدن ومعاشرت استوار کرے گا وہ آخرکار تباہی کا موجب بنے گا' کیونکہ وہی نظام بقاء ودوام حاصل کرسکتا ہے جس میں دائمی منفعت انسانی ہو۔ دنیا وآخرت میں کامیابی وکامرانی کے لیے امن وسکون اور اطمینان کے لیے آخرکار انسانوں کو اسی آستانے پر سر جھکانا ہوگا۔ سنتِ رسول ﷺ کی پیروی سے ہی یہ مطلوبہ دولت نصیب ہوسکتی ہے۔

خداوند کریم انسانوں کو وہ شعور بخشے کہ وہ اس حقیقت کا ادراک کرلیں اور امن وسلامتی کے داعیٔ اعظم ﷺ کے دامن عافیت سے خود کو وابستہ کرکے اپنی زندگیوں کا چلن اس کے اسوۂ حسنہ کے مطابق استوار کرلیں۔ آمین!

سیّد الایّام —— یومُ الجُمُعۃ

پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

اللہ تعالیٰ نے بعض چیزوں کو بعض چیزوں پر فضیلت دی ہے۔ سال کے بارہ مہینوں میں سب سے زیادہ فضیلت والا مہینہ رمضان ہے۔ راتوں میں فضیلت والی رات شب قدر ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ نفل نماز کے لیے افضل وقت تہجد کا وقت ہے۔ اسی طرح ہفتے کے سات دنوں میں افضل جمعہ کا دن ہے۔ حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ان سارے دنوں میں جن میں سورج طلوع ہوتا ہے سب سے بہتر جمعہ کا دن ہے۔ اسی دن حضرت آدمؑ کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا۔ جمعہ ہی کے دن وہ جنت میں داخل کیے گئے اور جمعہ ہی کے دن وہ جنت سے باہر کیے گئے (دنیا میں بھیجے گئے) اور قیامت بھی خاص جمعہ ہی کے دن قائم ہوگی''۔ (صحیح مسلم)

اس دن ظہر کی نماز کے وقت جمعہ کا خطبہ ہوتا ہے اور دو رکعت نماز فرض پڑھی جاتی ہے۔ نمازِ جمعہ کے دو فرضوں اور خطبے کی بڑی فضیلت ہے۔ جمعہ کے دن غسل کرنا' خوشبو لگانا' اچھے کپڑے پہننا اور پیدل چل کر اوّل وقت مسجد میں پہنچنا بڑے اجر کا باعث ہے۔ حضرت ابو ہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص جمعہ کے دن غسل کرکے' اچھا لباس پہن کر' میسر ہو تو خوشبو لگا کر جمعہ کے لیے آئے اور لوگوں کی گردنیں نہ پھلانگے' پھر جس قدر اللہ نے اس کے مقدر میں کیا ہے نماز پڑھے اور پھر جب امام (منبر پر) آجائے تو نماز مکمل ہونے تک خاموشی اختیار کرے تو یہ اُس کے اِس اور سابقہ جمعہ کے مابین ہونے والے گناہوں کا کفارہ ہوگا۔'' (ابوداؤد' احمد)

عید کے دن کی طرح جمعہ کے روز بھی اچھا لباس پہننے کی تاکید ہے۔ نماز جمعہ کے لیے جلدی مسجد میں پہنچنے کا حکم ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝﴾ (الجمعۃ)

''اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن نماز (جمعہ) کے لیے اذان دی جائے تو اللہ کے ذکر کے لیے جلدی سے آجاؤ اور خرید و فروخت (کاروبار دنیا) چھوڑ دو۔ یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو۔''

جمعہ کے دن مسجد میں جلدی آنا بڑے ثواب کا کام ہے۔ صحیح مسلم اور صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب جمعہ کا دن ہوتا ہے تو فرشتے مسجد کے دروازوں پر کھڑے ہو جاتے ہیں اور شروع میں آنے والوں کے نام یکے بعد دیگرے لکھتے ہیں۔ اول وقت دوپہر میں آنے والے کی مثال اس شخص کی سی ہے جو اللہ کے حضور میں اونٹ کی قربانی پیش کرتا ہے۔ پھر اس کے بعد آنے والے کی مثال اس شخص کی سی ہے جو اللہ کے حضور گائے کی قربانی پیش کرتا ہے۔ پھر اس کے بعد آنے والے کی مثال مینڈھا پیش کرنے والے کی' اس کے بعد مرغی پیش کرنے والے کی' اور اس کے بعد انڈا پیش کرنے والے کی۔ پھر جب امام خطبہ کے لیے منبر کی طرف جاتا ہے تو یہ فرشتے اپنے لکھنے کے دفتر لپیٹ لیتے ہیں اور خطبہ سننے میں مصروف ہو جاتے ہیں۔''

خطبہ سننے کے دوران حاضرین کو پوری توجہ کے ساتھ خاموش بیٹھنا چاہیے اور کسی قسم کی کوئی بات نہ کرنی چاہیے' حتیٰ کہ کسی ساتھ والے کو خاموش رہنے کا بھی نہ کہا جائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم نے دورانِ خطبہ کسی ساتھ والے شخص سے (بس اتنا) کہہ دیا کہ خاموش ہو جاؤ تو تم نے لغو کام کیا۔'' (صحیح بخاری' عن ابی ہریرہؓ)

جمعہ کے روز ایک گھڑی ایسی ہوتی ہے جو دعا کی قبولیت کے ساتھ مناسبت رکھتی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جمعہ کے دن میں ایک گھڑی ایسی ہوتی ہے کہ اگر کسی مسلمان بندے کو حسن اتفاق سے خاص اس گھڑی میں خیر اور بھلائی کی کوئی چیز اللہ تعالیٰ سے مانگنے کی توفیق مل جائے تو اللہ تعالیٰ اس کو عطا فرما دیتا ہے''۔ (صحیح بخاری' صحیح مسلم)

جمعہ کے دن یہ مبارک گھڑی چھپا کر رکھی گئی ہے' جس طرح لیلۃ القدر رمضان شریف کے آخری عشرے میں خفیہ رکھی گئی ہے اور حدیث میں اس کے کچھ اشارات دیے گئے ہیں۔ جمعہ کی اس مقبول ساعت کے متعلق بھی بزرگانِ دین نے مختلف خیالات کا اظہار کیا ہے۔ کچھ نے کہا ہے کہ یہ اجابت کی گھڑی امام کے خطبے کے لیے جانے سے ختم نماز تک ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ جب امام دو خطبوں کے درمیان بیٹھتا ہے تو یہ گھڑی اجابت کی ہوتی ہے۔ بعض نے

جمعہ کے دن عصر سے غروبِ آفتاب کے درمیان کا وقفہ قبولیت دعا کے لیے خاص کیا ہے۔
حضرت ابو بردہ بن ابی موسیٰ ؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے والد کو بیان کرتے ہوئے سنا۔ انہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو جمعہ کی اس گھڑی کا وقت بیان کرتے سنا کہ وہ امام کے خطبہ کے لیے بیٹھنے سے لے کر نماز کے فارغ ہونے تک ہے۔ (صحیح مسلم)

بعض اذکار کو بعض وقتوں کے ساتھ خصوصی مناسبت ہے۔ جیسے رمضان کا خاص ذکر تلاوتِ قرآن ہے' عیدین کے موقع پر خاص ذکر تکبیرات (اللہ اکبر اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد) ہیں' حج کا خصوصی ذکر تلبیہ (لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ .....) ہے' اسی طرح جمعہ کے روز درود شریف پڑھنا خاص فضیلت کا حامل ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم لوگ جمعہ کے دن مجھ پر درود کی کثرت کیا کرو' کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش ہوتا ہے۔'' (رواہ ابوداؤد عن اوس بن اوس ثقفی)

قرآن مجید کی تلاوت کی خصوصی نسبت رمضان کے ساتھ اور درود شریف کی خصوصی نسبت جمعہ کے دن کے ساتھ ہے' مگر یہ اذکار ہمہ وقتی ہیں۔ ان کا ہر روز پڑھنا رات اور دن کے تمام اوقات میں بڑے اجر کا باعث ہے۔ مثلاً قرآن مجید کی تلاوت کے ہر حرف پر دس نیکیاں ہیں خواہ وہ کسی بھی وقت پڑھا جائے۔ اسی طرح فرمانِ رسول ﷺ کی رو سے ایک دفعہ درود شریف پڑھنے والے پر اللہ تعالیٰ دس رحمتیں نازل فرماتا ہے۔

ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہر روز پنجگانہ نماز پوری پابندی کے ساتھ ادا کرے۔ نماز ایک اعلیٰ عمل ہے۔ عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کے روز عید کی نماز اضافی ہوتی ہے۔ نماز جمعہ کی اہمیت کے پیش نظر ایک زائد اذان وقت سے پہلے بلند کی جاتی ہے تاکہ آبادی کے مسلمان ہوشیار ہو جائیں اور جمعہ کی نماز کے لیے تیار ہو جائیں۔

جمعہ کے خطبے اور نماز کی ازحد اہمیت ہے اور جمعہ کی نماز کا چھوڑنا انتہائی ناپسند کیا گیا ہے' بلکہ اس کی کوتاہی پر رسول اللہ ﷺ نے سخت ناراضگی کا اظہار فرمایا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جمعہ سے پیچھے رہ جانے والے لوگوں کے بارے میں فرمایا: ''میں نے ارادہ کیا کہ میں کسی آدمی کو حکم دوں کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائے' پھر میں جمعہ سے پیچھے رہ جانے والے لوگوں کو ان کے گھروں سمیت آگ لگا دوں۔'' (صحیح مسلم)

تاہم چار قسم کے لوگوں کو نماز جمعہ کی ادائیگی سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ

نے فرمایا: ''جمعہ کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کرنا ہر مسلمان پر لازم اور واجب ہے۔ اس وجوب سے چار قسم کے آدمی مستثنیٰ ہیں۔ ایک غلام جو کسی کا مملوک ہو' دوسرے عورت' تیسرے نابالغ لڑکا' چوتھے بیمار۔'' (سنن ابی داؤد عن طارق بن شہاب ؓ)

جمعہ کی فضیلت اور اہمیت جان کر ہر مسلمان کے لیے لازم ہے کہ وہ جمعہ کی تیاری کے لوازمات پورے کرے' پھر وضو کر کے فرضوں سے پہلے کی سنتیں گھر پر ادا کرے اور جلدی سے قبل از وقت مسجد پہنچ جائے اور پہلی صف میں نشست حاصل کرے۔ نماز جمعہ کی اہمیت سے غافل مسلمان آج کل مسجد میں آنے کی عجلت نہیں کرتے۔ جب خطیب اردو خطاب شروع کرتا ہے اس وقت مسجد میں چند لوگ ہوتے ہیں۔ بعد میں آہستہ آہستہ تعداد زیادہ ہو جاتی ہے۔ شاید ان کو غلط فہمی ہے کہ نماز کی دو رکعتوں میں شامل ہونا ہی جمعہ ہے۔ وہ یہ نہیں جانتے کہ ظہر کی چار رکعتوں کے بجائے جمعہ کی دو رکعتیں ادا کی جاتی ہیں اور دو رکعتوں کا قائم مقام خطبہ ہوتا ہے۔ لہٰذا جمعہ کی نماز کے ساتھ خطبہ بھی سنیں تو جمعہ کی نماز مکمل ہوتی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ عربی خطبہ تو عام سامعین سمجھ نہیں پاتے۔ اس لیے ضروری ہے کہ خطیب کا اردو خطبہ دھیان سے سنا جائے جس میں اسلامی تعلیمات بیان کی جاتی ہیں۔ اگر خطیب شیریں بیان نہ ہو تو اول وقت مسجد میں پہنچنا ضروری نہیں سمجھا جاتا' یہ درست نہیں' کیونکہ ہر حال میں مسجد میں پہلے پہنچنا ضروری ہے۔ جیسا کہ اوپر حدیث سے واضح ہے' خواہ خطیب کی گفتگو عام سی ہو۔

ایک اور بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ جمعہ سے قبل کی سنتیں گھر میں ادا کی جائیں۔ اب یہ رواج ایسا عام ہوا ہے کہ چند لوگوں کے سوا سب نمازی عربی خطبے سے قبل مسجد میں سنتیں پڑھنے کے لیے کھڑے ہو جاتے ہیں' یہ practice ختم ہونی چاہیے اور سنتیں گھر پر پڑھنے کی عادت اپنانی چاہیے۔ جس طرح فرضوں کا ثواب گھر کی نسبت ستائیس گنا ہے اسی طرح سنتیں اگر گھر پر پڑھی جائیں تو ان کا ثواب مسجد میں پڑھنے سے کئی گنا بڑھ جاتا ہے۔ حضرت زید بن ثابت ؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''لوگو! سنو اپنے گھروں میں بھی نماز پڑھا کرو۔ فرض کو چھوڑ کر باقی نمازیں گھر میں ہی پڑھنا افضل ہے''۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

میثاق' حکمت قرآن اور ندائے خلافت کے انٹرنیٹ ایڈیشن
تنظیم اسلامی کی ویب سائٹ www.tanzeem.org پر ملاحظہ کیجیے۔

حاجی عبدالواحد صاحبؒ کی یادداشتیں (۴)

مرتّب: پروفیسر حافظ قاسم رضوان

☆

شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوریؒ اور اباجی

(گزشتہ سے پیوستہ)

اباجی اور حضرت لاہوریؒ کی باہمی خط و کتابت بھی چلتی رہی۔ کچھ دستیاب خطوط سے پتا چلتا ہے کہ طرفین میں قریبی اصلاحی تعلق اور باہمی محبت اور اعتماد کا مضبوط رشتہ تھا۔ چونکہ حضرت مولانا نے اباجی کے خطوط کے نیچے ہی اپنے جوابات لکھے ہیں' اس لیے دونوں طرف کے خطوط محفوظ ہیں۔ ایک خط میں اباجی نے ۱۹۳۵ء میں کوئٹہ کے مشہور زلزلہ سے بچ جانے کی اطلاع یوں دی ہے۔ (اس وقت اباجی وہاں گورنمنٹ ہائی اسکول میں بحیثیت استاد متعین تھے۔)

''محترمی مخدومی زادعنایتہٗ' السلام علیکم! بعد اشتیاق قدم بوسی عرض ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کوئٹہ کے قیامت خیز زلزلہ سے بال بال بچالیا۔ میرا نیند سے اٹھ کر باہر دوڑنا تھا کہ چھت یکلخت نیچے آن پڑی اور دیواروں کا چھت کے نیچے پتہ ہی نہیں چلتا تھا کہ کہاں گئیں' ایسے بنیاد سے گری تھیں۔ اللہ نے نئی زندگی بخشی' ہزار در ہزار انسان ایک لحظہ میں لقمۂ اجل بن گئے اور زخمی اس وقت سے آج تک مر رہے ہیں۔ خداوند کریم نے کسی اپنی خدمت کے لیے جان بخشی کی ہے۔ آمین''۔ (خط محررہ ۵ جولائی ۱۹۳۵ء)

حضرت لاہوریؒ نے جواب یوں ارسال کیا:

''بعزیز محترم مولوی عبدالواحد صاحب دام فضلکم۔ از احقر الانام احمد علی عفی عنہ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ کوئٹہ کے عذاب نما زلزلہ سے جان بخشی کی نعمت مبارک صد مبارک ہو۔ اس حادثہ فاجعہ سے آپ کے متعلق بے حد تشویش تھی ——— الحمدللہ ثم الحمدللہ۔ اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے آپ کو جگایا اور فوراً باہر دوڑایا۔ اور بعد میں

چھت کو گروایا۔ ذٰلك فضل اللّٰہ۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے دین کی خدمت کی توفیق دے.....'' (۹ جولائی ۱۹۳۵ء)

۱۹۳۵ء کے ہی ایک دوسرے خط میں اباجی نے حضرت کو اپنے پہلے حج (۱۹۳۶ء) پر جانے کی اطلاع دیتے ہوئے دعا کی درخواست کی ہے۔ حضرت نے جواب میں دعا کرتے ہوئے خوشی کا اظہار فرمایا ہے۔ اگست ۱۹۴۰ء کے ایک خط میں اباجی نے حضرت کو اپنے بڑے بیٹے (انجینئر خالد محمود) کی پیدائش سے مطلع کیا ہے۔ نیز بچے کو خدمتِ دین کے لیے وقف کرنے کا ارادہ ظاہر کرتے ہوئے اس کے لیے خصوصی دعا کی التجا کی ہے۔ حضرت نے اپنے جواب میں بچے کو دین کا خادم بننے اور دین و دنیا میں والدین کے لیے باعث خیر و برکت ہونے کی خواہش کا اظہار کرتے ہوئے دلی دعاؤں سے نوازا ہے۔

اباجی کے دستیاب روزنامچوں میں مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر خیر اپریل ۱۹۴۷ء میں ملتا ہے جبکہ آپ نے حضرت سے کچھ اہم مسائل پر مفصل گفتگو کی۔ اسی طرح دسمبر ۱۹۴۷ء کے اواخر میں اباجی نے حضرت سے کچھ مشورہ کیا۔ دورانِ مشورہ اباجی نے انجمن خدام الدین میں کام کرنے کی بابت عرض کیا لیکن اس وقت کوئی عملی صورت نہ بن پائی۔ ۲۹ فروری ۱۹۴۸ء کو ڈائری کا ایک اقتباس یوں ہے: ''آسٹریلیا مسجد (ریلوے اسٹیشن' لاہور) میں نماز (ظہر) پڑھ کر دہلی دروازہ کے باہر جمعیت علمائے اسلام کا جلسہ تھا' وہاں گئے۔ مولانا (مفتی) محمد حسن امرتسری' مولانا داؤد غزنوی اور مولانا احمد علی صاحبان کی تقریریں تھیں۔ پاکستان کا قانون شریعت قرآنی پر مبنی ہونا چاہیے۔ بعدازاں صدر آزاد کشمیر (گورنمنٹ) سردار ابراہیم کی چائے پر گئے۔''

۵۱۔۱۹۵۰ء کا سال اباجی نے حرمین شریفین میں گزارا۔ وہاں سے بھی آپ مولانا احمد علیؒ کو بذریعہ خطوط اپنے حالات سے آگاہ کرتے رہے۔ ۵۳۔۱۹۵۲ء کا زیادہ عرصہ اباجی نے دعوت و تبلیغ کے ضمن میں کوئٹہ گزارا۔ واپسی پر ستمبر ۱۹۵۳ء میں اباجی نے ایک صبح مسجد لائن سبحان خان' شیرانوالہ دروازہ میں مولانا احمد علیؒ کے درسِ قرآن میں شرکت کی اور بعد میں ملاقات کر کے حال احوال دریافت کیا۔ اسی طرح اباجی نومبر میں حضرت مولانا کے درسِ قرآن میں شریک ہوئے۔ بعد میں مجلس میں حاضری ہوئی تو مولانا احمد علیؒ نے اباجی سے بچوں کی تعلیم کے بارے میں دریافت کیا۔ اباجی نے مختصراً اپنی کوششیں بیان کیں کہ دینی تعلیم کے حوالے سے

گوہر مقصود کہیں ہاتھ نہ آیا۔ دسمبر ۱۹۵۳ء کے تیسرے ہفتے کی ایک عصر کی نماز ابا جی نے مولانا احمد علی صاحب کے بلاوے پر مسجد شیرانوالہ دروازہ میں پڑھی۔ چند اور نزدیکی احباب بھی مدعو تھے۔ بقول ابا جی: مولوی صاحب نے خدمت قرآن' اس کی تشریح اور ترویج پر زور دیا اور اس کے لیے انجمن خدام الدین کے ماتحت ایک مجلس کی صورت میں کام کرنے کو کہا۔ سب نے منظور کیا اور منتظمہ مقرر کر دی گئی۔ درس' رسالہ' احباب سے تعلق' سب کا اہتمام کیا جائے گا۔ چوہدری عبدالرحمٰن ایم اے (ریٹائرڈ) اب اپنی فرصت اس کارِ خیر میں صرف کریں گے۔ دس سال پہلے عاجز بھی یہ کام کر سکتا تھا' مگر اجنالہ (ضلع امرتسر) کی رہائش اور لاہور میں کام جمع نہ ہو سکے۔ قدرت نے چوہدری صاحب کو لگایا ہے۔ قادر مطلق کامیابی عطا فرمائے (آمین)۔

جنوری ۱۹۵۴ء کے دوسرے ہفتے میں مسجد شیرانوالہ دروازہ میں مولانا احمد علی کی تشکیل کردہ قرآن مجید کی خادم کمیٹی کا اجلاس تھا۔ دیگر احباب کے ساتھ ابا جی بھی شامل ہوئے۔ حضرت مولانا نے خطاب کیا اور پیش رفت پر غور ہوا۔ فروری ۱۹۵۴ء کے دوسرے ہفتے ابا جی نے نماز ظہر مسجد شیرانوالہ دروازہ پڑھی اور حضرت مولانا احمد علیؒ سے ملاقات ہوئی۔ اپنی کیفیت اور اللہ کا احسانِ عظیم بیان کیا: ''اللہ تعالیٰ سے عاجز (ابا جی) راضی ہے۔ اللہ تعالیٰ بھی عاجز سے راضی ہو۔ آمین! حضرت نے بھی دعا کی۔'' فروری ۱۹۵۴ء کے آخر میں ابا جی کا مسجد شیرانوالہ دروازہ میں جمعہ پڑھنے اور حضرت مولانا کی خدمت میں بیٹھنے کا ذکر ہے۔ مارچ کے شروع میں حضرت مولانا کے بذریعہ ہوائی جہاز عمرہ پر جانے کا تذکرہ ہے۔

دسمبر ۱۹۵۴ء کے تیسرے ہفتے کی ایک نماز ظہر ابا جی نے مسجد شیرانوالہ دروازہ میں مولانا احمد علیؒ کے ساتھ پڑھی اور بعد میں آپ کی خدمت میں حاضری ہوئی۔ ''انہوں (مولانا) نے دینی خدمت میں رائے پوچھی۔ عاجز نے معذرت کے بعد مختصر الفاظ میں علم کے ساتھ عمل اور انفرادی کے ہمراہ اجتماعی اعمال کے قائم کرنے کی ضرورت پر زور دیا۔ مولوی صاحب نے بعض مشکلات کا ذکر فرمانے کے بعد اس کوشش (انجمن رضوان) کو پسند کیا کہ نئی آبادی قائم ہو سکے تو کی جائے۔ اور اپنی تین باتیں بیان فرمائیں' جن کی تکمیل کی آرزو ہے: (۱) قرآن مجید کے درس جاری ہوں۔ (۲) مشکوٰۃ شریف' حجۃ اللہ البالغہ کے اردو تراجم اور قرآن مجید کی تفسیر چھپ جائے۔ اور (۳) صوفیاء کے لیے ایک تربیت گاہ قائم ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ ان میں نصرت فرمائے۔ آمین!'' فروری ۱۹۵۵ء کے پہلے ہفتے کا جمعہ ابا جی نے مولانا احمد علی کے پیچھے

مسجد شیرانوالہ دروازہ میں پڑھا اور ملاقات کی سعادت حاصل کی۔

فروری کے تیسرے ہفتے میں حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ مع ساتھیوں کے ہندوستان سے لاہور تشریف لائے۔ ابا جی کی بھی ان کی خدمت میں حاضری ہوتی رہی۔ وہیں دو مرتبہ مولانا احمد علیؒ سے بھی ملاقات ہوئی۔ بیمار رہنے کے بعد اب حالت کچھ بہتر تھی۔ ستمبر ۱۹۵۵ء کے دوسرے ہفتے میں ابا جی کی بعد نماز مغرب حضرت مولانا سے ملاقات ہوئی۔ ایک ساتھی کے سوال پر مولانا احمد علیؒ نے امتحانی پرچوں کے بارے میں سفارش نہ ماننے کی تحسین کی اور بیٹی کو دنیاوی کی بجائے دینی علوم پڑھانے کی تائید فرمائی۔ جنوری ۱۹۵۸ء کے اوائل میں ابا جی نے جمعہ مسجد شیرانوالہ دروازہ پڑھا اور مولانا احمد علی سے ملاقات کی۔ حضرت کو بوجہ بیماری نحیف اور کمزور پایا۔ فروری کے پہلے اتوار کو ابا جی نے مع چند رشتہ داروں کے حضرت مولانا کے بعد از نماز فجر کے درس قرآن میں شرکت کی۔ بقول ابا جی' درس میں توحید پر بیان تھا۔ خلوص' خالص اللہ تعالیٰ کی رضا کی نیت اور جنات وغیرہ کسی کو کارساز نہ سمجھنا۔ درس کے بعد بندہ کو اندر (ملاقات کی) اجازت دی۔ تبلیغی تحریک کی اور مولانا محمد الیاس کی تعریف کی اور ذکر کی تاکید کی' اس میں کوتاہی نہ ہو۔ دونوں اکٹھی نبھ سکتی ہیں۔ خالصتاً اللہ تعالیٰ کی کارسازی پر بلاواسطہ اور بلا اسباب توکل ہو اور اسی کی راہ میں زندگی وقف ہو۔ یہ کیفیت ذکر سے حاصل ہوتی ہے' اور پھر اسی سے اللہ کی راہ میں دلیری بھی عطا ہوتی ہے۔ یکم مئی ۱۹۵۸ء کو ابا جی کی حضرت مولانا سے صبح کے درسِ قرآن پر ملاقات ہوئی۔ ان کے منجھلے صاحبزادے مولانا عبیداللہ انور نے بھی سلام دعا کیا۔ مارچ ۱۹۵۹ء کے تیسرے ہفتے (دوران رمضان المبارک) کا جمعہ ابا جی نے مولانا احمد علیؒ کے پیچھے مسجد شیرانوالہ دروازہ میں پڑھا۔ حضرت مولانا نے دین سے ناواقف جدید تعلیم یافتہ (اصحاب) کی دین سے بے رخی اور استہزا پر کڑی تنقید کی۔

۳۰ر مارچ کو ابا جی بڑے بیٹے اور بھانجے (ڈاکٹر جاوید اقبال) کے ہمراہ مسجد شیرانوالہ دروازہ میں اعتکاف بیٹھ گئے۔ مولانا عبیداللہ انور نے اس ضمن میں سارا انتظام کر دیا۔ گھر سے ایک ملازم سحری' افطاری کا کھانا لے جاتا تھا۔ صبح کے ایک درسِ قرآن میں حضرت مولانا نے حلال اور حرام کی تمیز پر زور دیا: ''حلال طیب وہ ہے جس میں حرام کی نادانستہ بھی آمیزش نہ ہو۔ جیسے سنکھیا خود کھا لینا یا کسی کو دھوکہ سے کھلا دینا۔ ایک میں موت کے ساتھ گناہ بھی ہے' دوسرے میں موت ہے بغیر گناہ''۔ مولانا عبیداللہ انور کے حوالے سے تحریر ہے کہ ''وہ

روزانہ بعد از نماز عشاء آ کر بیٹھتے ہیں اور بڑی شفقت سے حال احوال پوچھتے ہیں۔ چھبیسویں تراویح کو ختم قرآن ہوا۔ تبرک کے طور پر مالٹے تقسیم کیے گئے۔ ایسا یخ ٹھنڈا اور شیریں' رس سے بھرا ہوا بغیر بیج کے مالٹا عاجز کے حصے میں آیا کہ بیان نہیں کرسکتا۔ اسے اسی وقت کھا لیا۔ الحمدللہ! مولانا احمد علی صاحب نے اپنی اور انجمن خدام الدین کی مختصر سرگزشت بیان کی۔ اللہ تعالیٰ اپنی راہ میں قبول فرمائے۔ (آمین!) مولانا اب بہت ہی کمزور اور نحیف ہو گئے ہیں۔ آج اتوار شام کو یاسین کا کا جی قاسم (راقم) کو ہمراہ لایا اور اپنے ساتھ ہی واپس لے گیا''۔ حضرت مولانا کا لمبی سفید داڑھی سمیت نورانی ہیولیٰ اب تک اس گنہگار کی آنکھوں میں گھومتا رہتا ہے۔ (راقم)

مولوی انور صاحب کے ذریعے اباجی نے مولانا احمد علی کو افطاری اور کھانے کے لیے مدعو کیا اور مولانا نے بکمال شفقت اس دعوت کو قبول فرمالیا۔ ''شام کو یاسین کھانا لایا۔ مٹر پلاؤ' مرغی' پالک' سویوں کی کھیر اور گلاب جامن تھے۔ ننھی اور کا کا جی قاسم بھی ہمراہ تھے۔ افطاری کے لیے دودھ جلیبیاں تیار کرلیں۔ حضرت مولانا احمد علی صاحب نے افطاری اور کھانا یہیں عاجز کے ہمراہ کھایا۔ باقی کھانا چھوٹی مسجد کے معتکف حضرات میں تقسیم کر دیا۔ گلاب جامن حضرت کے کمرے میں بھجوا دیے۔ حضرت نے سب کے لیے دعا کی کہ اللہ تعالیٰ دینِ اسلام پر قائم فرمائے (رکھے) اور احیائے اسلام کی خدمت میں جوڑے۔ (آمین!) والدہ صاحبہ' ہمشیرگان' برادران اور سارے خاندان کے لیے دعا کی۔ چھوٹی (بیٹی) اور قاسم کھانے کے بعد یاسین کے ہمراہ چلے گئے۔ اس نے بھی آج کھانا یہیں کھایا اور برتن وغیرہ بھی لے گیا۔''

اس سال عیدالفطر بروز جمعۃ المبارک تھی۔ اباجی نے دیگر اعزہ کے ہمراہ عید کی نماز بادشاہی مسجد اور جمعہ کی نماز حضرت مولانا کے ساتھ مسجد شیرانوالہ دروازہ میں پڑھی اور حضرت مولانا سے عید بھی ملے۔ ۳۱ مئی کو صبح کے درس قرآن میں اباجی ایک دوست کے ہمراہ شریک ہوئے۔ بعد میں مولانا احمد علی سے ملاقات بھی ہوئی۔ اباجی کے ہمراہی کو حضرت نے دوران گفتگو ذکر کی پابندی کی تلقین اور مجلس آرائی سے پرہیز کی تاکید کی۔ وقت کے زیاں سے بچنا چاہیے۔ نومبر ۱۹۵۹ء کے بالکل آغاز میں اباجی ایک صبح حضرت مولانا کا درس سننے گئے تو مولوی عبیداللہ انور نے درس قرآن دیا۔ حضرت مولانا عمرہ کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ چند روز کے بعد اباجی دوبارہ صبح کے درس قرآن پر گئے تو حضرت مولانا سے بعد میں ملاقات

بھی ہوئی۔ توحید پر زور تھا۔ کچھ دنوں کے بعد اباجی نے حضرت مولانا کے پیچھے نماز جمعہ مسجد شیرانوالہ دروازہ میں پڑھی۔ حضرت نے اپنی تقریر میں موجودہ خلافِ اسلام معاشرہ کی مذمت کی۔ بعد میں حضرت مولانا سے اباجی کی ملاقات ہوئی اور دعا کی درخواست بھی کی گئی۔ دسمبر ۱۹۵۹ء کے تیسرے ہفتے میں اباجی اپنے بڑے بیٹے اور بہنوئی (میاں عبدالحق) کے ہمراہ حضرت مولانا کے صبح کے درس قرآن میں شامل ہوئے۔ بعد میں کسی نجی مسئلے پر مشورہ بھی کیا۔ ۱۹۶۰ء میں بھی اباجی مولانا احمد علی سے ملاقات کرتے اور کسبِ فیض حاصل کرتے رہے۔

جنوری ۱۹۶۱ء کے تیسرے ہفتے کا جمعہ اباجی نے ایک رفیق کے ہمراہ حضرت مولانا کے پیچھے مسجد شیرانوالہ دروازہ میں پڑھا۔ حضرت نے فرعون کی مثال دے کر سمجھایا کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کے سامنے کسی کا داؤ اور ترکیب نہیں چل سکتی۔ بعد میں سلام دعا ہوئی۔ ایک دو روز کے بعد مولانا احمد علی اباجی کی ایک نجی تقریب میں شرکت کے لیے گھر آئے۔ کچھ سوال و جواب کی شکل میں مجلس حضرت مولانا کے ارشادات سے مستفید ہوئی۔ بعد میں حضرت نے دعائے (خیر) بھی فرمائی اور مجلس سے خوش گئے۔ فروری ۱۹۶۱ء کے اوائل میں اباجی حضرت مولانا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کچھ رقم فی سبیل اللہ خرچ کرنے کے لیے پیش کی۔ مئی ۱۹۶۱ء کے شروع میں اباجی نے حضرت مولانا کے صبح کے درس قرآن میں شرکت کی۔ درس کے بعد حضرت سے اباجی نے اپنی صحت اور کیفیت کا حال بیان کیا کہ سکونِ خاطر کے ساتھ وسوسہ کے دور بھی ہیں۔ حضرت نے تخلیہ کا مشورہ دیا۔ جولائی کے دوسرے ہفتے میں اباجی نے پھر ایک بار حضرت مولانا کے صبح کے درس قرآن میں مع رفقاء شمولیت کی۔ درس توحیدِ الٰہی کے موضوع پر تھا۔ جولائی کے تیسرے ہفتے میں اباجی بڑے بیٹے کے ہمراہ حضرت کے درس قرآن میں مسجد شیرانوالہ دروازہ شامل ہوئے۔ صلہ رحمی کے متعلق اللہ تعالیٰ کا حکم اور تاکید بیان فرمائی۔ نیز اوباش اور بدمعاش معاشرے سے متنبہ کیا۔ حضرت مولانا کے روانگی برائے عمرہ کی وجہ سے مجمع کافی زیادہ تھا' اس لیے مصافحہ میں بھی دیر لگی۔ ستمبر ۱۹۶۱ء کے شروع میں اباجی نے حضرت سے ایک نجی ملاقات کی اور بچوں کے لیے خصوصاً دعا کا عرض کیا۔

اکتوبر ۱۹۶۱ء کے اواخر میں اباجی نے مع دونوں صاحبزادگان (راقم اور بھائی جان) جمعہ حضرت مولانا کے ہمراہ ادا کیا۔ بعد میں بچوں کو حضرت سے ملوایا اور دعائے خیر کروائی۔ یہیں اباجی کی مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے نواسہ سے ملاقات ہوئی۔ (مجلّہ) 'راستہ' کے ایڈیٹر اور

دین پور شریف میں رہتے ہیں۔ رسالے کا ایک سال کا چندہ (بارہ روپے) بھی ابا جی نے جمع کروایا۔ نومبر کے چوتھے ہفتے میں ابا جی اور بھائی جان نے جمعہ مسجد شیرانوالہ دروازہ ادا کیا اور حضرت کے ارشادات سے مستفید ہوئے۔ دسمبر ۱۹۶۱ء کے دوسرے ہفتے میں ابا جی نے مسجد شیرانوالہ دروازہ جا کر حضرت مولانا کے صبح کے درس قرآن میں شرکت کی۔ بعد میں حضرت سے ملاقات میں ابا جی کے چند خوابوں کا ذکر ہوا۔ صحت اور علاج کے بارے میں بھی کچھ باتیں ہوئیں۔ ابا جی کے کسی کام سے متعلق استخارہ مناسب نہ نکلا۔ دوبارہ ملنے کا کہا۔ چند دنوں کے بعد ابا جی نے مع صاحبزادوں، بہنوئی اور بھانجوں کے جمعہ مسجد شیرانوالہ دروازہ ادا کیا۔ بعد میں سب کا حضرت مولانا سے مصافحہ بھی ہوا۔ فروری ۱۹۶۲ء کے اوائل میں ابا جی نے نماز فجر مسجد شیرانوالہ دروازہ میں ادا کی اور مولانا احمد علی کے درس قرآن میں شامل ہوئے۔ ''کفر سے موالات نہ کرنے اور دین مبین پر قائم ہو جانے کا مضمون تھا۔ آواز کمزوری سے لڑکھڑا رہی تھی۔ مصافحہ کیا اور دعا بھی کروائی۔''

فروری ۱۹۶۲ء کی آخری تاریخ کو ابا جی کی یادداشت میں یہ تحریر دیکھنے کو ملتی ہے:

''حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کی وفات کی خبر سنی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ لاہور خالی ہوا۔ ہفتہ ۲۴ فروری کی رات کو حرکت قلب بند ہو جانے سے واصل بحق ہوئے۔ اللہ تعالیٰ غریقِ رحمت فرمائے۔ آمین! اور ملک بھر میں جو دینی خدمات ان کے ہاتھ سے ہوتی تھیں، اللہ پاک انہیں جاری رکھے اور فروغ دے۔ آمین۔ عاجز اسلامیہ کالج (لاہور) میں خواجہ عبدالحی فاروقی سے مانوس ہوا تھا۔ انہوں نے اپنے دہلی چلے آنے پر مولانا احمد علیؒ کی خدمت میں لاہور حاضر ہونے کی ہدایت کی۔ بعد میں مولانا نے ندوۃ العلوم لکھنؤ میں علی میاں کے پاس بھیجا۔ اور پھر اس کے بعد حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری مدظلہ کی خدمت میں بھی انہوں نے ہی بھجوایا۔ اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو نور سے بھر دے اور ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)''

خیال رہے کہ اس وقت ابا جی رمضان المبارک گزارنے کے لیے شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کے ہاں خانقاہ رائے پور (ہندوستان) میں مقیم تھے۔ اس کے ایک دو روز بعد ابا جی نے اپنے ایک دوست کے لاہور سے آمدہ خط کا ذکر کرتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ ''حضرت مولانا احمد علی کا جنازہ یونیورسٹی گراؤنڈ میں ہوا۔ دو تین لاکھ کے درمیان جنازہ پڑھنے والوں کا اندازہ تھا۔ (مزید) لکھا ہے کہ کندھا دینا ناممکن تھا۔ اللہ تعالیٰ غریق رحمت فرمائے (آمین)!''

اس کے جلد بعد ابا جی نے وہیں سے جانشین مولانا احمد علیؒ، مولانا عبیداللہ انور اور ان کے

چھوٹے بھائی مولانا حمیداللہ کو تعزیت نامہ تحریر کیا۔ مئی ۱۹۶۲ء کے اوائل میں ابا جی کی انڈیا سے واپسی ہوئی۔ چند روز کے بعد ابا جی نے بھائی جان کے ساتھ نماز فجر مسجد شیرانوالہ دروازہ ادا کی۔ ''مولانا عبیداللہ انور کا درس سنا جو وہ اپنے والد محترم مولانا احمد علی صاحبؒ کی بجائے دیتے ہیں۔ بعد میں چوہدری عبدالرحمٰن صاحب نے ڈاک سنائی۔ پھر مولانا عبیداللہ صاحب اپنے ہمراہ کمرے میں لے گئے۔ ناشتہ اور مجلس..... ان سے عقیدت اور تعاون کا اظہار کیا۔ اللہ تعالیٰ یہ ہدایت کا چشمہ جاری رکھے۔ آمین!''

آخر میں حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے چند اقوالِ زریں پیش خدمت ہیں:

☆ کامل مؤمن وہ ہے جس کا تعلق خالق اور مخلوق سے ہے۔ خالق کا راضی کرنا آسان ہے لیکن مخلوق کا بہت مشکل۔ مخلوق کو خوش کرنے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ اس کا حق ادا کر دے اور اپنا حق طلب نہ کرے۔

☆ پورے قرآن کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ کو عبادت سے خوش رکھو اور انبیاء کو اطاعت سے خوش رکھو۔ صحابہ کرامؓ کو محبت سے خوش رکھو اور مخلوقِ خدا کو خدمت خلق سے خوش رکھو۔

☆ تم کو مسجد کی چٹائیوں پر بیٹھ کر قرآن مجید سننے میں عار آتی ہے تو تمہاری کوٹھیوں، بنگلوں میں چل کر جانا ہمارے جوتے کی بھی توہین ہے۔

☆ اگر مولوی سوکھے ٹکڑے کھا کر قرآن کو سینے سے نہ لگاتا تو ہندوستان میں اسلام ختم ہو جاتا۔

☆ اسلام اور سیاست دو مختلف چیزیں نہیں۔ اسلام تا قیامت آنے والی نسلوں کے لیے ایک جامع پروگرام حیات ہے۔ اس میں ہر شعبہ زندگی کے لیے قوانین و ہدایات موجود ہیں۔ چنانچہ سیاست بھی اسلام کا ایک اہم جزو ہے اور اسلام ہر حالت میں حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں چاہتا ہے۔ میں سی آئی ڈی سے کہتا ہوں کہ حکومت کو میرے الفاظ من وعن پہنچا دیں کہ ملک میں جو کچھ بھی غیر اسلامی اور غیر شرعی حرکات و افعال ہوتے ہیں، ان کی حکومت ذمہ دار ہے اور قیامت کے دن ان حکمرانوں کو جواب دہ ہونا ہوگا۔

☆ ان بزرگانِ دین کی تربیت سے ہی انسان روحانی مہلک بیماریوں (مثلاً حسد، کبر، عجب وغیرہ) سے شفا پاتا ہے اور جنت کا مستحق ہو جاتا ہے۔ اگر ان اللہ والوں کی صحبت نصیب نہ ہو اور ان سے اپنی تربیت نہ کرائے، تو اغلب یہی ہے کہ انسان روحانی مہلک بیماریوں میں مبتلا ہو کر دنیا سے رخصت ہوگا اور جہنم میں جائے گا۔

☆ اے لاہوریو! سنو! تم کل کو یہ نہ کہنا کہ ''رَبَّنَا مَا جَاءَنَا مِنْ نَّذِيْرٍ'' (اے اللہ! ہمیں

کوئی ڈرانے والا ہی نہیں آیا) اللہ تعالیٰ مجھ گنہگار کو کھڑا کر کے فرمائیں گے: کیا اس نے حق نہیں سنایا؟ لاہور کی سولہ لاکھ کی آبادی (اُس وقت) میں ایک لاکھ میں ایک بھی بینا ہوتا تو سولہ بینا ہوتے' لاہور شہر قرآن وسنت کے نور سے جگمگا اٹھتا' مگر لاکھ میں ایک بھی نہیں۔

☆ اگر کوئی ہوا میں اڑتا آئے اور لاکھوں مرید پیچھے لائے' مگر سنت نبویؐ کا مخالف ہو تو اس کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھنا ناجائز ہے' اس کی بیعت کرنا حرام ہے' اگر کوئی کر چکا ہو تو توڑنا فرضِ عین ہے۔

☆ لاہوریو! تم نے اپنی اولاد کو بی اے' ایم اے' پی ایچ ڈی کرایا۔ وکالت اور ڈاکٹری پڑھائی۔ ایسی اولاد کو کیا کرنا اور کس کام کی وہ اولاد' جس کے لیے تم نے تو سب کچھ کیا مگر وہ اپنے باپ کے جنازہ پر دعائے جنازہ بھی نہیں پڑھ سکتی۔

☆ لاہوریو! یاد رکھو' یہی اولاد قیامت کے دن جب پکڑی جائے گی تو پکار پکار کر کہے گی خدایا! ہمارے بزرگوں اور والدین کا قصور ہے جن کی ہم نے تابعداری کی اور جنہوں نے ہمیں تیرا راستہ نہ دکھایا۔ اس لیے ان کو ہم سے دگنا عذاب دے۔ اور لاہوریو! اُس وقت تمہارا کیا جواب ہوگا؟

☆ ماں باپ کا فرض ہے کہ اولاد کو قرآن مجید اور سنتِ رسولؐ کی تعلیم دلائیں۔ اسی لیے میں کہا کرتا ہوں کہ دین کی تعلیم دلانا اور دیندار بنانے کی کوشش کرنا ماں باپ کا فرض ہے' تاکہ انہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو راضی رکھنے کا سلیقہ آجائے۔

☆ سمندر کے سفر میں یہ نظارہ دیکھنے میں آتا ہے پرندہ سطحِ آب پر بیٹھا ہوتا ہے۔ موجیں ٹھاٹھیں مارتی ہوئی آتی ہیں اور اس کے اوپر سے گزر جاتی ہیں۔ ایسے معلوم ہوتا ہے کہ وہ غرق ہوگیا۔ جب موجیں ختم ہوجاتی ہیں تو وہ چپکے سے اڑ جاتا ہے۔ گویا موجوں کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ مسلمان کو اسی طرح دنیا میں رہنا چاہیے۔ بظاہر سب سے ملے (کارِ دنیا سرانجام دے) لیکن دل فقط اللہ ہی سے لگائے۔ اللہ والوں کے جوتوں کی خاک میں سے وہ موتی ملتے ہیں جو بادشاہوں کے تاجوں میں نہیں ہوتے۔

☆ دل میں صالح خیالات آئیں گے تو سارا وجود صالح ہوگا۔ اگر دل میں فاسد خیالات پیدا ہوں گے تو سارا وجود ہی فاسد ہوگا۔ اصلاحِ قلب اس شخص کی صحبت میں ہوتی ہے جس کا اپنا قلب اصلاح شدہ ہو۔ اصلاحِ قلب کے لیے پہلی شرط ہے اخلاص۔ اگر اس

شخص میں اخلاص نہیں تو اس کی صحبت میں کبھی اخلاص (پیدا) نہ ہوگا۔

☆ اللہ والوں کی جوتیوں میں وہ موتی ہوتے ہیں جو بادشاہوں کے تاجوں میں نہیں ہوتے۔

☆ جو ہنڈیا میں ہوتا ہے' وہی رکابی میں آتا ہے' پیٹ میں حرام ہو تو نیک عمل نہیں ہوتا۔

آپ کا اہم کارنامہ ترجمہ قرآن پاک ہے اور حاشیہ پر حضرت نے ربط آیات وسور اور قرآن مجید کے مضامین کا خلاصہ تحریر فرمایا ہے۔ اس کے علاوہ مختلف عنوانات سے رسائل کا مجموعہ ہے۔ آپ کی مجالس ذکر کے ملفوظات بھی شائع ہو چکے ہیں۔

غارت گر دیں ہے یہ زمانہ ہے اس کی نہاد کافرانہ
دربارِ شہنشہی سے بہتر مردانِ خدا کا آستانہ

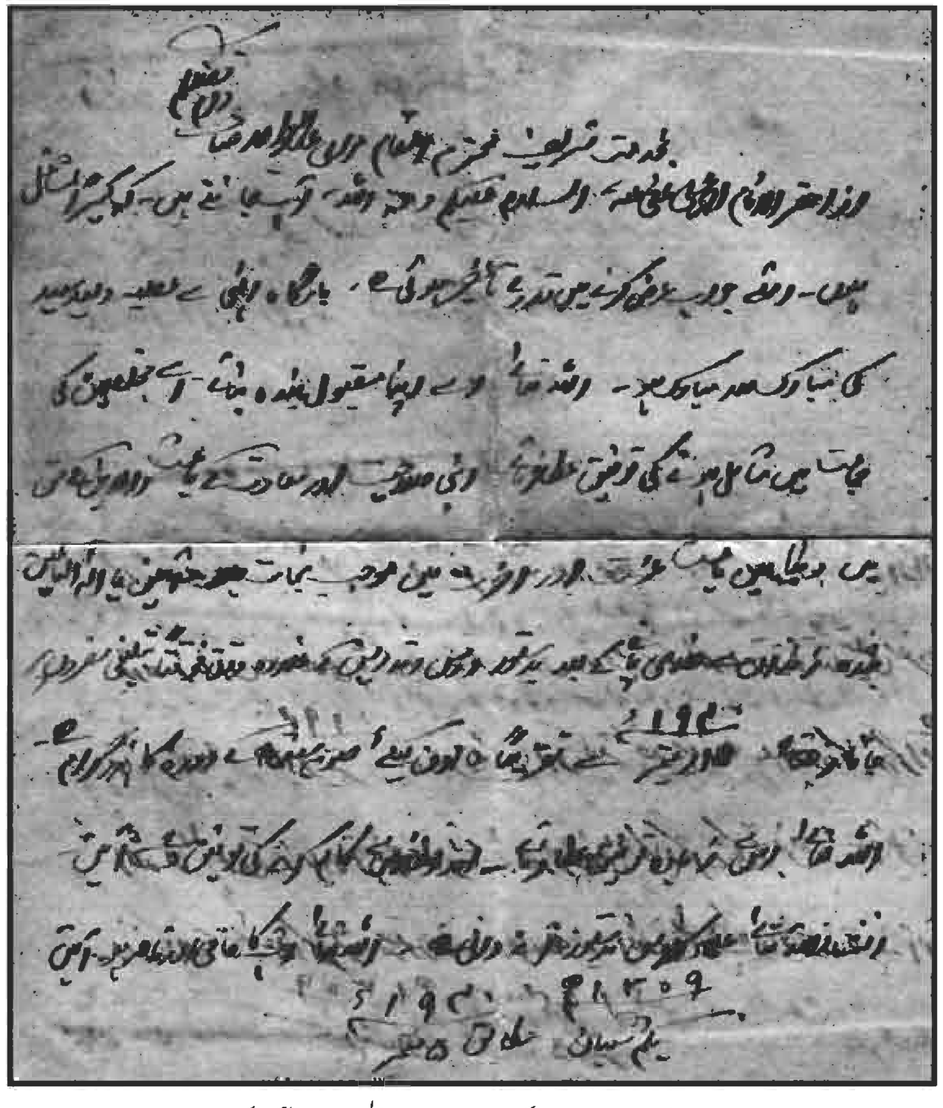

حاجی عبدالواحد صاحبؒ کے نام مولانا احمد علی لاہوریؒ کا ایک خط

مولانا محمد اسحاق بھٹی مرحوم:
جُہدِ مسلسل کی علامت

حافظ محمد مشتاق ربانی

مولانا محمد اسحاق بھٹی مرحوم ایک عظیم اسلامی محقق اور ممتاز عالمِ دین تھے۔ دسمبر ۲۰۱۵ء میں وہ اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔ آپ مارچ ۱۹۲۵ء کو کوٹ کپورہ (ریاست فرید کوٹ' مشرقی پنجاب) میں پیدا ہوئے۔ وہ مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانیؒ (مؤلف: پیارے رسول ﷺ کی پیاری دعائیں) کے شاگردوں میں سے تھے' جن سے آپ نے عقلی ونقلی علوم کے ساتھ ترجمۃ القرآن بطور خاص سیکھا۔ شیخ المحدثین حافظ محمد گوندلویؒ اور شیخ الحدیث حافظ مولانا محمد اسماعیل سلفیؒ (یہ دونوں اہل حدیث مکتبہ فکر کے چوٹی کے علماء میں سے ہیں) سے احادیث کی بعض کتابیں پڑھیں۔ مولانا بھٹی نے درس نظامی کی تکمیل اپنے وقت کے چوٹی کے علماء سے کی۔ آپ تمام عمر مختلف اسلامی موضوعات پر لکھتے رہے۔ فقہائے ہند' بزم ارجمنداں' اہل حدیث خدام قرآن' نقوشِ عظمتِ رفتہ' کاروانِ سلف' ہفت اقلیم ان کی بطور خاص تصانیف ہیں۔ ان کی تصانیف کی کُل تعداد چالیس کے قریب بنتی ہے۔ ان کی کتاب فقہائے ہند' دس جلدوں پر مشتمل ہے۔ سوانح نگاری سے ان کو خصوصی دلچسپی تھی۔ وہ ایک بہترین خاکہ نویس تھے۔ تذکرہ نویسی ان کے ہاں بطور فن نظر آتی ہے۔ خاکہ نویسوں کی اگر تاریخ مرتب کی جائے تو مولانا محمد اسحاق بھٹی اس میں نمایاں مقام پائیں گے۔ ان کے ہاں خاکہ نویسی کا فن دیکھنا ہو تو ''ہفت اقلیم'' اس کی واضح مثال ہے۔

وہ لکھوی خاندان اور عبدالجبار غزنوی کے خاندان کی علمی اور دعوتی سرگرمیوں سے بہت متاثر تھے۔ اسی طرح مولانا ابوالکلام آزادؒ (صاحب ترجمانُ القرآن) اور مولانا حنیف ندویؒ (ایک عظیم متکلّم) کی عظمت کے معترف رہے۔ انہیں مولانا آزادؒ کو براہ راست سننے کا موقع

بھی نصیب ہوا۔ مولانا بھٹی تاریخ اور تراجم میں ایک مضبوط سند تھے۔ دینی اردو ادب پر ان کی گرفت بہت مضبوط تھی۔ خاص طور پر اہلحدیث علماء کرام پر انہوں نے خوب لکھا۔ ان کی صحافتی زندگی بہت پھیلی ہوئی ہے۔ مولانا صاحب نے آزادی کی جدوجہد میں بھرپور حصہ لیا اور اسیر بھی رہے۔ اس سیاسی جدوجہد سے ان کے مزاج کی عکاسی ہوتی ہے۔ ان کی سیاسی جدوجہد کی تفصیل ان کی کتاب ''نقوشِ عظمت رفتہ'' میں پڑھی جاسکتی ہے۔ آزادی کی جدوجہد سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ایک جری انسان تھے اور کسی قسم کا خوف بھی ان کا راستہ نہیں روک سکتا تھا۔

مولانا اسحاق بھٹی ہفت روزہ مجلّہ 'الاعتصام' سے منسلک رہے۔ اس رسالے کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگائیں کہ مولانا حنیف ندوی بھی اس کے ایڈیٹر رہے۔ یہ قرآن وسنت کی تعلیمات کی نمائندگی کرتا ہے۔ مجلّہ الاعتصام کے ساتھ وہ تقریباً ۱۶ سال وابستہ رہے۔ مولانا بھٹی کی ادارہ ثقافت اسلامیہ سے بھی تقریباً ۳۲ سال وابستگی رہی۔ اس ادارہ میں انہوں نے محنت اور جانفشانی سے کام کیا اور ان کی صلاحیتیں مزید نکھر آئیں۔ وہ جہاں بھی رہے خوب لگن سے کام کیا۔ وہ کوئی سیلانی طبیعت کے مالک نہ تھے' بلکہ ان کے مزاج میں ٹھہراؤ تھا۔ انہوں نے کئی اخبارات میں مضامین لکھے اور مجلّات سے منسلک رہے۔

ترجمہ نگاری میں بھی مولانا بھٹی کا عمدہ کام ہے۔ ابن ندیم کی 'الفہرست' کا عربی سے اردو میں بڑا رواں اور سلیس ترجمہ کیا۔ آپ ان کے ترجمہ کے لیے منتخب کام پر نظر ڈالیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ایک بالغ نظر شخصیت تھے۔ الفہرست کتب کے حوالے سے ایک جامع انسائیکلوپیڈیا ہے' جس کی ہر طرف طلب ہے۔ یہ کتاب ہر محقق کی ضرورت ہے اور موجودہ دور میں تحقیق کی بڑی اہمیت ہے۔ ہمارے ہاں ترجمہ نگاری کی طرف کم توجہ ہے۔ ایک دوسرے کے فکر وفلسفہ سے ہمیں استفادہ کرنا چاہیے۔ اس کی ایک صورت تو یہ ہے کہ وہ زبان سیکھیں جس میں وہ فکر وفلسفہ موجود ہے' اور اگر یہ نہیں تو ماہرین لسانیات کو ترجمہ نگاری کی طرف متوجہ ہونا چاہیے' جس طرح مولانا بھٹی اور دیگر فضلاء نے بعض عمدہ ترجمے کیے۔

اگرچہ مولانا ایک خاص مسلک سے تعلق رکھتے تھے' لیکن وہ کشادہ ذہن کے مالک' وسیع النظر اور ایک صاحبِ بصیرت انسان تھے۔ وہ سب کی خوبیوں کو سراہتے اور سب کی خامیوں کو اصلاح کی غرض سے ہدفِ تنقید بناتے۔ مولانا بھٹی کا مطالعہ بہت وسیع تھا۔ وہ جہاں دیدہ شخص تھے اور اپنی زندگی میں بہت سے نشیب وفراز سے گزر چکے تھے۔ اللہ تعالی کے خصوصی فضل سے

انہوں نے ۹۱ سال عمر پائی۔ وہ خوش طبع اور شگفتہ مزاج عالم دین تھے۔ شیرینی گفتگو سے وہ مجلس کو پُرلطف بنا دیتے۔ ملاقات کے لیے آنے والوں سے خندہ پیشانی سے پیش آتے اور ان کی خوب تواضع کرتے۔ ہر کوئی بآسانی ان سے مل کر فیض حاصل کر سکتا تھا۔ عام طور پر اہلحدیث کے بارے میں یہ تاثر ہے کہ وہ روکھے ہوتے ہیں' لیکن مولانا صاحب بڑے شگفتہ مزاج کے حامل تھے۔ جو ایک دفعہ ان سے ملتا' وہ دوبارہ ان سے ملنے کی تمنا کرتا۔ ظریفانہ مزاج کے مالک اور ہر کسی سے تبسم کے ساتھ ملتے۔ وہ "وجہ طلق" کی عملی تصویر تھے۔

مولانا صاحب لکھنے کے شہسوار تھے۔ ان کی پہچان ہی ایک بہترین لکھاری کی تھی۔ ان کا اسلوبِ نگارش دل نشین تھا۔ علماء کرام عام طور پر خطابت پر اپنی توجہ مرکوز رکھتے ہیں لیکن ان کے ہاں زبان سے زیادہ قلم کی اہمیت نظر آتی ہے۔ قلم بھی انہوں نے اسلام کی خاطر استعمال کیا۔ آپ نے علمی کام کرنے والی شخصیات کو ایک نئی زندگی عطا کی اور بعض شخصیات کو گمنامی سے نکالنے کی کوشش کی۔ اس حوالے سے عوام پر ان کا احسان ہے کہ انہوں نے دینی شخصیات کے نئے پہلو متعارف کروائے۔ اردو ادب کی صنف سوانح نگاری کی آبیاری کی۔ انہوں نے مولانا مودودیؒ کی اصطلاح ''ادب برائے زندگی'' کو پروان چڑھایا۔ وہ صرف صاحب قلم ہی نہیں ایک خطیب بھی تھے اور دعوت دین کے جذبہ سے کچھ عرصہ مسجد دارالسلام' باغ جناح' لاہور میں خطبہ جمعہ بھی ارشاد فرماتے رہے۔

وہ ایک باوقار شخصیت کے مالک تھے۔ متانت ان کا زیور تھا۔ ہر کسی سے ملنساری سے ملتے۔ تواضع اور سادگی سے آراستہ تھے۔ نوجوانوں سے خاص محبت تھی اور ان کی دینی امور کے بارے میں رہنمائی کرتے تھے۔ وہ ستاروں پر کمند ڈالنے والے نوجوانوں کی خصوصی حوصلہ افزائی فرماتے۔ علماء کو چاہیے کہ وہ نوجوانوں کو دینی علوم اور عربی زبان وادب کی جانب راغب کریں۔ عربی ادبیات دراصل قرآن وحدیث کی تفہیم کے لیے آلہ اور بنیادی علم کی حیثیت رکھتے ہیں۔

مولانا اسحاق بھٹی کا شمار ان علماء کرام میں سے ہے جو عوام اور روایتی علماء کو جامد اور اندھی تقلید سے نکال کر خالص توحید کی طرف لے کر جانا چاہتے تھے۔ اسلام ہمیں اکابر کے ساتھ وابستہ رہنا سکھاتا ہے' لیکن وہ ساتھ غور وفکر پر بھی زور دیتا ہے۔ ہمارے زوال کی ایک علامت جامد تقلید ہے۔ اسلام ہمیں تحقیق پر آمادہ کرتا ہے۔ مولانا بھٹی اور اس قبیل کے دیگر

چند علماء کرام لوگوں کو حقیقی اسلام کی راہ دکھانے والے ہیں۔ بعض شخصیات ایسی ہوتی ہیں جو اگرچہ ایک خاص مسلک کی پابند ہوتی ہیں لیکن وہ اعتدال اور رواداری کا دامن تھامنے کی وجہ سے سب کے ہاں قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔ مولانا ان میں سے ایک ہیں۔ دوسرے مسالک کے نمائندگان سے بھی ان کا پیار اور محبت کا تعلق تھا۔ اگرچہ انہوں نے شخصیات پر زیادہ کام کیا لیکن وہ خود کسی خاص شخصیت کے اسیر نہیں ہوئے' صرف ان کی خدمات کی حد تک دلچسپی رکھی۔

مولانا بھٹی نے اپنی سرگزشت 'گزر گئی گزران' کے عنوان سے تحریر کی اور اس کو دلچسپ طرزِ تحریر سے آراستہ کیا۔ اس کو پڑھنے سے تاریخ کے اس خاص عہد کے بارے میں جان کاری ہوتی ہے' جس میں مولانا بھٹی نہایت فعال رہے ہیں۔ یقیناً وہ علماء کرام کو پیغام دے گئے ہیں کہ وہ وعظ ونصیحت اور خطابت کے ساتھ ساتھ لکھنے پر بھی توجہ دیں' کیونکہ قلم انسان کو زندہ رکھتا ہے۔ اگرچہ لکھنے کا کام خطابت کی نسبت دشوار ہے لیکن قلم تبلیغ کا ایک پروقار ذریعہ ہے۔

مولانا محمد اسحاق بھٹی کی خدمات کا اندازہ اس بات سے لگائیں کہ بعض جامعات میں ان پر مقالات بھی لکھے گئے ہیں۔ ایک مقالہ پروفیسر فوزیہ سحر ملک نے پنجاب یونیورسٹی کی طرف سے مولانا کی خاکہ نگاری کے بارے میں لکھا۔ جامعہ پنجاب میں ہی ایک دوسرا مقالہ پروفیسر حماد لکھوی کی نگرانی میں لکھا گیا۔ مولانا کی شخصیت پر مولانا محمد رمضان سلفی نے عمدہ کتاب تحریر کی ہے۔ اس کتاب کا ناشر مکتبہ رحمانیہ (ناصر روڈ' سیالکوٹ) ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ مولانا کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور ان کے لواحقین کو صبر جمیل سے نوازے۔ آمین!

اپنے ذاتی اوقات میں سے کم از کم نصف گھنٹہ نکال کر
''بیان القرآن'' کے ترجمہ وترجمانی کا ضرور مطالعہ کریں'
آپ یقیناً مستفید ہوں گے۔ (ان شاء اللہ!)

قرآن فہمی بذریعہ خط و کتابت کورسز

گھر بیٹھے قرآن کی ابدی تعلیمات سے آگاہی اور عربی زبان کے بنیادی قواعد سیکھنے کا

نادر موقع !

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے زیر اہتمام اپنی نوعیت کے 3 منفرد

خط و کتابت کورسز میں داخلے جاری ہیں :

۱) قرآن حکیم کی فکری و عملی راہنمائی

قرآن کی ابدی ہدایت سے استفادے کے نقطۂ نگاہ سے یہ نہایت مفید اور مؤثر کورس ہے۔ اس کورس کے لیے اعانتی مواد مطبوعہ شکل میں بھی دستیاب ہے اور کمپیوٹر CD کی صورت میں بھی۔

۲) عربی گرامر خط و کتابت کورس (I,II,III)

قرآن و حدیث کی زبان یعنی عربی سے واقفیت کے لیے اس کے قواعد کو جاننا بہت ضروری ہے۔ عربی گرامر کورس مرکزی انجمن کی شائع کردہ کتاب آسان عربی گرامر کے تین حصوں پر مشتمل ہے جس میں عربی گرامر کے تقریباً تمام ضروری قواعد کا احاطہ کیا گیا ہے۔

۳) ترجمہ قرآن حکیم کورس

یہ کورس خصوصی طور پر نوجوان طلبہ و طالبات کے لیے ترتیب دیا گیا ہے جنہیں قرآنی الفاظ کے معانی براہِ راست سمجھائے اور یاد کرائے جاتے ہیں اور اس طرح آیاتِ قرآنی کا مفہوم سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

داخلہ کے خواہش مند حضرات پراسپکٹس کے حصول اور دیگر معلومات کے لئے درج ذیل پتے پر رجوع فرمائیں

ناظم شعبہ خط و کتابت کورسز

قرآن اکیڈمی، 36۔ کے، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون: 03-35869501

Email: distancelearning@tanzeem.org